سچے موتی

(ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کے اقوالِ زریں)

اسرارِ حقیقی (حصہ اول)
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

اسرارِ حقیقی (حصہ دوئم)
حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ:۔ میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ

تدوین وپیشکش:۔ پروفیسر ڈاکٹر محمود علی انجم چشتی نظامی قادری سروری

ایم اے۔ ایم ایس سی۔ ایم فل۔ پی ایچ ڈی (اقبالیات / اردو)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، نفسیات، اقبالیات، اردو، روحی علوم)

سُچّے موتی

(ارشادات نبوی ﷺ اور اولیاء اللہ کے اقوالِ زریں)

مرتبہ:۔ میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

اسرارِ حقیقی

(حصہ اول)

مکتوب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

اسرارِ حقیقی

(حصہ دوم)

مکتوبات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

تدوین وپیشکش:۔

ڈاکٹر محمود علی انجم چشتی نظامی قادری سروری

ایم اے۔ایم سی ایس۔ایم فل۔پی ایچ ڈی (اقبالیات/اردو)

ریسرچ سکالر (اسلامیات،تصوف،نفسیات،اقبالیات،اردو،روحی علوم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جملہ حقوق بحق مرتبین کتب ھذا محفوظ ہیں

نام کتاب:۔ سچّے موتی

مرتب:۔ میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

نام کتب:۔ اسرارِ حقیقی (حصہ اول)، اسرارِ حقیقی (حصہ دوم)

مدوّن:۔ ڈاکٹر محمود علی انجم چشتی نظامی سروری قادری

کمپوزنگ:۔ حافظ محمد نصیب علی قادری، محمد آصف مغل

نظر ثانی:۔ ہومیو پیتھک ڈاکٹر حافظ محمد دلاور، جمیل احمد سروری قادری

طابع:۔ نورِ ذات پبلشرز، لاہور

سنِ اشاعت:۔ ۲۰۲۱ء

تعداد:۔ ۵۰۰

قیمت:۔ ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ:۔ نورِ ذات پبلشرز، اردو بازار، لاہور

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرٰتِ فِی الْحَیَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَافِعُ الدَّرَجَاتِ وَیَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَیَا کَافِیَ الْمُھِمَّاتِ وَیَادَافِعَ الْبَلِیَّاتِ وَیَا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ یَآ اِلٰھِیْ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط ○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ط سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اِلٰھاً وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَداً لَمْ یَتَّخِذْ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُواً اَحَدٌ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ○ وَاَنَا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا ○ یَارَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَعَظِیْمِ سُلْطَانِکَ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی ○ سُبْحَانَ اللّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَدَدَ خَلْقِہٖ ○ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَدَدَخَلْقِہٖ ○ اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَدَدَ خَلْقِہٖ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ کَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی ○ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَلَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ○ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ○ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ○ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌمَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط ○

فرید العصر حضرت میاں علی محمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
-01	غرض وغایتِ تالیف	07
-02	اظہارِ تشکر	08
-03	انتساب	09
-04	شجرہ طیبہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ	10
-05	پیش لفظ	11
-06	حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ (مختصر حالاتِ زندگی)	12
-07	عقیدت کے پھول	20
-08	خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز	22
-09	اقوالِ زریں	24
-10	اسمائے الٰہی	24
-11	دین اسلام	26
-12	ایمان کی حقیقت	28
-13	ایمان کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشاداتِ گوہر بار	31
-14	شریعت ،طریقت ،معرفت ،حقیقت	32
-15	توحیدِ الٰہی	33
-16	اصولِ توحید	36
-17	کلمہ شہادت	38
-18	کلمہ طیبہ	39
-19	حضور نبی کریم محبوبِ رب العالمین ﷺ کے ارشاداتِ گوہر بار	45
-20	حقیقتِ محمدی	49
-21	فضائلِ درود شریف	50
-22	آل کا مفہوم	51
-23	صدیقیت	52
-24	محدثیت	53

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
25-	عصمت	53
26-	فراست	54
27-	شہید	54
28-	حواری	54
29-	مناقبِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)	55
30-	اصحابِ صفہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)	55
31-	ولایت	57
32-	ارکانِ اسلام	62
33-	کلمہ طیبہ	62
34-	نماز	64
35-	روزہ	68
36-	زکوٰۃ وصدقہ	70
37-	حج	76
38-	صوفی وتصوف	77
39-	درویش وفقیر	78
40-	سالک کے اوصاف	79
41-	یقین	81
42-	محبت	82
43-	علم	85
44-	حیاء	97
45-	تعظیم	98
46-	متفرق امور کے آداب	99
47-	طہارت	102
48-	وضو کا طریقہ	103
49-	توبہ	104
50-	قرب	106

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
51-	عالمِ مثال	107
52-	عالمِ اجسام	108
53-	سماع	112
54-	سماعتِ قرآن	112
55-	اشعار کا سماع	113
56-	وجد و سماع اور رقص	113
☆	اسرارِ حقیقی (حصہ اول)	114
☆	حضور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (مختصر حالاتِ زندگی)	114
☆	عرضِ مؤلف	116
☆	مکتوب حضور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	117
01-	کلمہ طیبہ کی حقیقت	118
02-	نماز کی حقیقت	121
03-	روزہ کی حقیقت	123
04-	زکوٰۃ کی حقیقت	125
05-	حج کی حقیقت	125
06-	اسرارِ حقیقی (حصہ دوم)	129
☆	سات عدد مکتوبات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	129
01-	مجموعہ اسرارِ اول	130
02-	مجموعہ اسرارِ دوم	132
03-	مجموعہ اسرارِ سوم	133
04-	مجموعہ اسرارِ چہارم	134
05-	مجموعہ اسرارِ پنجم	134
06-	مجموعہ اسرارِ ششم	139
07-	مجموعہ اسرارِ ہفتم	140
08-	تعارفِ مؤلف	141
09-	التجائے مؤلف	144

غرض و غایتِ تالیف

01۔ رضائے الٰہی اور رضائے نبوی ﷺ کا حصول۔

02۔ فضلِ خداوندی اور رافت و رحمتِ نبوی ﷺ پر شکر بجالانا۔

03۔ ذاتِ باری تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ روحانی رابطہ، تعلق اور نسبت کی ضرورت، اہمیت اور افادیت بیان کرنا اور اس تعلق کے حصول کا طریقہ کار (سلوک راہِ طریقت) بیان کرنا۔

04۔ اپنے مرشد، مربی، سرپرست، اساتذہ کرام اور دیگر مشائخ و اولیائے عظام کو خراجِ تحسین پیش کرنا اور ان سے حاصل ہونے والی علم و معرفت کی نعمت کو اچھے طریقے سے، سند اور تحقیق کے ساتھ دوسروں تک پہنچانا تاکہ اس نعمت پر شکر کا اظہار ہو سکے، سب کے لیے صدقہ جاریہ کا اہتمام ہو اور دعائے خیر حاصل ہو۔

05۔ اپنے والدین، بیوی، بچوں اور دیگر ظاہری و باطنی اور بالواسطہ و بلاواسطہ محسنین کے احسانات اور مدد و تعاون پر ان کا شکریہ ادا کرنا اور انتسابِ متن سے ان کے لیے اور اپنے لیے صدقہ جاریہ کا سبب بننا۔

06۔ اہلِ صدق و صفا، اہلِ علم اور اہلِ تحقیق کی دینی اور علمی و ادبی خدمات کی قدر و قیمت سے احباب کو آگاہ کرنا۔ ان علم دوست حضرات کی خدمات کا اعتراف کرنا اور انھیں خراجِ تحسین پیش کرنا۔

07۔ آنے والی نسل کو تفویضِ علم کا فریضہ سرانجام دے کر، علم کا تقاضا پورا کرنا۔

08۔ بطور معلم و متعلم، قرآنی آیات و احادیث مبارکہ اور اقوالِ اولیاء و علما کے حوالے سے تبلیغِ دین اور تعلیم و تربیت کا فریضہ سرانجام دینا۔

اظہارِ تشکر

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْــًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر بجالاؤ○

زیرِ نظر کتب ''سچّے موتی''، ''اسرارِ حقیقی (حصہ اول)'' اور ''اسرارِ حقیقی (حصہ دوم)'' کی تدوین و تالیف کی عظیم سعادت حاصل ہونے پر میں ربِ قدیر اور اپنے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے حد وانتہا شکر گزار ہوں۔ میں اپنے روحانی، علمی وادبی محسنین اور کرم فرماؤں خصوصاً پیر و مرشد میاں مسعود احمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ، پیر و مرشد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمتہ اللہ علیہ، اپنے نہایت واجب الاحترام والد گرامی حاجی محمد یٰسین رحمتہ اللہ علیہ اور والدہ محترمہ کا شکر گزار ہوں کہ جن کی تعلیمات، دعاؤں، توجہ اور شفقت کی بدولت اس کارِ سعادت کی توفیق عطا ہوئی۔ میری بیوی (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، بہو (فائزہ حامد) اور بیٹوں (حامد علی انجم اور احمد علی انجم) نے میرے حصے کی ذمہ داریاں سرانجام دے کر اور ہر طرح سے میری ضروریات کا خیال رکھ کر مجھے ذہنی وقلبی فراغت کے لمحات حاصل کرنے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں ان سب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اس علمی، ادبی وروحانی کاوش کو ان سے منسوب کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعا گو ہوں۔

خاکپائے درویشاں، احقر العباد
طالبِ دعا و منتظرِ آرا
محمود علی انجم چشتی نظامی سروری قادری
پرنسپل چشتیہ کالج، فیصل آباد

Email: Anjum560@gmail.com
Mobile: 0321-6672557/0323-6672557
Whats App No: 0321-6672557

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ط

انتساب

سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین ، نبی کریم روٗف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام انبیا ورسل، امہات المومنین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد پاک، پنجتن پاک، آئمہ مطہرین، معصومین، تمام صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام مشائخ عظام، علمائے کرام، تمام مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی ودیگر تمام سلاسلِ حق کے پیرانِ عظام واہلِ سلسلہ، ساتوں سلطان الفقراء خصوصاً حضرت پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ غریب النواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ صابر پیا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ، فرید العصر میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، سرکار میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ گوہر عبدالغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ، میاں غلام احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، میاں مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اہل وعیال، حضرت میاں علی شیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں فریاد احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال، پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان، پروفیسر ڈاکٹر مظفر کاشمیری، پروفیسر ڈاکٹر محمد غلام معین الدین نظامی، ڈاکٹر محمد شفیق، ڈاکٹر محمد اصغر، پروفیسر سلیم صدیقی، استادِ محترم پروفیسر عبداللہ بھٹی، میاں محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹیوں اوران کے پسران، شیخ منصور احمد، شیخ اعجاز احمد، شیخ محمود مسعود، شیخ محبوب مسعود، شیخ غلام فرید، شیخ ندیم مسعود ضیا، بندہ عاجز اور اِس کی اہلیہ کے والدین (حاجی محمد یٰسین وبیگم یٰسین، میاں لطیف احمد وبیگم میاں لطیف احمد)، بندہ عاجز کی اہلیہ (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، بہو (فائزہ حامد)، بیٹوں (حامد علی انجم، احمد علی انجم)، پوتے (محمد علی انجم)، پوتی (ماہ نور فاطمہ)، بہنوں (مسز یاسمین اختر، مسماۃ ناہید اختر)، برادران (میاں مقصود علی چشتی نصیری، میاں سجاد احمد قادری، میاں فیاض احمد، میاں شہباز احمد، میاں اعجاز احمد، میاں خرم یٰسین، میاں عاصم یٰسین، میاں افتخار احمد، میاں ابرار احمد، میاں عمران احمد، میاں نسیم اختر) اوران کے اہل وعیال، مسٹر ومسز نصیر واہلِ خانہ، مس شمائلہ مشتاق، خالد محمود (پروپرائٹر: خالد بک ڈپو، لاہور)، کاشف حسین گوہر (پروپرائٹر: ہمدرد کتب خانہ)، الطاف حسین گوہر (پروپرائٹر: گوہر سنز پبلی کیشنز)، تمام مسلمان آباؤ اجداد، بہن بھائیوں، بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں، بہوؤں، نسلِ نو، احباب، رفقا، اساتذہ، تلامذہ، ظاہری وباطنی بلاواسطہ وبالواسطہ محسنین، علمی نسبی، روحانی تعلق رکھنے والے تمام احباب، بندہ عاجز کے چاہنے والوں اوران سب کو جن سے بندہ عاجز کو محبت ہے، تاابدالآباد اس کا ثواب ایصال ہو۔ بندہ عاجز سے جانے انجانے کسی بھی صورت میں ایسے تمام افراد جن کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوئی انھیں بھی اس کارِخیر کا ثواب ایصال ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ نبی کریم روٗف ورحیم ﷺ کے صدقے اپنے فضل وکرم سے اسے بطور قضا وکفارہ شمار فرما کر اُن سب کی اور بندہ عاجز کی مغفرت فرمادے۔ (آمین)

وَالَّذِيۡنَ جَآءُوۡ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِيۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِيۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِىۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ○

اور وہ لوگ (بھی) جو اُن (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے○ الحشر [59:10]

شجرہ طیبہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ فخریہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یاالٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے — رحم کر مجھ پر محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے
میں ہوا ہوں سخت زار اس بندِ محنت میں اسیر — کھول دے مشکل علی المرتضیٰ کے واسطے
خواجہ حسن بصری کا نام لاتا ہوں شفیع — شیخ عبدالواحد اہل بقا کے واسطے
فضل کر مجھ پر طفیل خواجہ ابن عیاض — شاہ ابراہیم بلخی بادشاہ کے واسطے
حضرت خواجہ حذیفہ کے لیے تو رحم کر — اور ہبیرہ بصری صاحب ھُدیٰ کے واسطے
خواجہ ممشاد کی خاطر مرا دل شاد کر — شیخ بواسحاق قطب چشتیا کے واسطے
خواجہ ابدالِ احمد بُو محمد مقتدا — خواجہ بُو یوسف صاحب صفا کے واسطے
خواجہ مودودِ حق اور خواجہ حاجی شریف — خواجہ عثمان اہلِ اقتدا کے واسطے
والیٔ ہندوستان خواجہ معین الدین حسن — شیخ قطب الدین قطب الاتقیا کے واسطے
کام کر شیریں طفیلِ حاجی گنج شکر — اور نظام الدین محبوبِ خدا کے واسطے
دل کو روشن کر طفیلِ شہ نصیرالدین چراغ — اور کمال الدین کمالِ اصفیا کے واسطے
دُور کر ظلمت طفیل خواجہ عبداللہ ولی — اور علم الحق و دیں علم الہُدیٰ کے واسطے
حضرتِ محمود راجن سرورِ دنیا و دیں — اور جمال الدین جمن صاحب رضا کے واسطے
شیخ حسن اور خواجہ شیخ محمد کے طفیل — حضرت یحییٰ مدنی مقتدیٰ کے واسطے
مشکلیں حل کر طفیل شہ کلیم اللہ ولی — اور نظام الدین مقبولِ خدا کے واسطے
پیر فخرالحق والدین ناظمِ سرکارِ چشت — آں کہ اندر عشقِ پیراں رہنما راہِ بہشت
دین ودنیا کا وسیلہ پیر عالم فخرِ دیں — حاجی لعلِ محمد رہنما کے واسطے
آں محمد لعل حاجی شمس دین مصطفیٰ است — قبلۂ ارباب معنی کعبۂ ایں صفا است
شیخ بخش اللہ ولی دستگیر دوجہاں — قبلۂ حاجات و کعبہ مُدّعا کے واسطے
رہنمائے سالکان و پیشوائے عارفاں — شہ مُحب اللہ امیر دو سرا کے واسطے
نَجِّنَا مِن کُلِّ سُوءٍ اَعْطِنَا صِدْقَ الیَقِین — شہ محمد شاہ فخر چشتیا کے واسطے
محو کر دل سے مِرے نقشِ وجودِ غیر کو — شاہِ علی خلفِ محمد باصفا کے واسطے
دل میں دے اپنی محبت بعدِ رفعِ ماسوا — حضرت پیران چشتی باخدا کے واسطے

پیش لفظ

حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ سچے عاشقِ رسول ﷺ اور محبّ الاولیاء تھے۔ آپ فرید العصر میاں علی محمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور اجازت یافتہ تھے۔ آپ کثرت سے ذکر الٰہی کرتے اور درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا پیشہ تجارت تھا۔ روزانہ تہجد سے لے کر صبح صادق تک ذکر وفکر میں مشغول رہتے۔ اس کے بعد اپنی کپڑے کی دکان پر تشریف لے جاتے اور وہاں بھی ذکر وفکر میں مشغول رہتے اور قریباً ظہر کے قریب وظائف مکمل کر پاتے۔ آپ دیانت دار تاجر، شفیق باپ، مہربان دوست، خادمِ خلق درویش اور اولیائے سلف کے اخلاقِ حسنہ سے متصف کامل ولی اللہ تھے۔

آپ نہایت سادہ اور نفیس مزاج رکھتے تھے۔ آپ کے مہمان آپ کے بابرکت اور کشادہ دستر خوان سے خوب فیض یاب ہوتے تھے اور فیضِ روحانی تو اس سے بھی سوا (زیادہ) تھا۔

بندۂ عاجز کو قریباً بیس برس تک آپ کے ہاں کثرت سے حاضری کا شرف حاصل رہا۔ وصال سے چند روز قبل آپ نے بندہ عاجز کو وصیت فرمائی کہ انھوں نے برسوں مطالعے کے بعد ارشاداتِ نبوی ﷺ اور اقوال اولیاء پر مشتمل ایک بیاض تحریر کی ہے، اسے افادۂ عام کے لیے شائع کر دیں۔ لہٰذا یہ بیاض آپ کے ارشاد کے مطابق شائع کی جا رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بیاض کا بار بار مطالعہ کر کے اس سے حاصل ہونے والی تعلیمات پر عمل کریں اور فلاحِ دارین پائیں۔ اس بیاض کے ساتھ ہی بندۂ عاجز نے حضور سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات بھی پیش کئے ہیں تا کہ اہلِ حق کے قلب ونظر کو مزید لطف وسرور اور نور وحضور حاصل ہو اور فلاحِ دارین کا باعث ہو۔

قارئین سے درخواست ہے کہ اس کتاب ومکتوبات کا ذوق وشوق سے مطالعہ کر کے ان کی تعلیمات پر عمل کریں اور حقیقی معنوں میں اولیاء اللہ سے محبت کا ثبوت دیں۔

طالبِ دعا
خلیفہ مجاز میاں محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ
پروفیسر ڈاکٹر محمود علی انجم چشتی نظامی قادری سروری
4-6-2013 بروز منگل

حضرت میاں محمد مسعود احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ

(۱۹۲۵ء..... ۱۳جنوری ۲۰۰۶ء)

26 نومبر 2010ء کومیاں صاحب کا سالانہ عرس مبارک تھا۔میاں صاحب کواللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے 5 برس بیت گئے ہیں۔میاں صاحب کی ولادت 1925ء میں کلکتہ میں ہوئی تھی اورانھوں نے 13 جنوری 2006ء (بمطابق 14 ذوالحجہ 1427ھ) بروز ہفتہ بعداز نماز ظہر وصال فرمایا تھا۔ان کے بیٹے ہر عیدالاضحیٰ کو جمعے کے روز باقاعدگی سے یہ عرس منا رہے ہیں۔میاں صاحب سے میرا رابطہ قریباً 20 سال رہا۔اُن سے رابطے کے وقت میری عمر قریباً 23 سال تھی۔میاں صاحب بہت نفیس طبع بزرگ تھے۔وہ فریدالعصر میاں علی محمد رحمتہ اللہ علیہ(بسی شریف والوں) سے بیعت تھے اوران کے نہایت قریبی مریدین میں سے تھے۔ہر وقت ذکر فکر میں مشغول رہتے تھے۔درود شریف کثرت سے پڑھتے رہتے تھے۔نہایت صاف ستھرا اور نفیس لباس پہنتے تھے۔ان کی غذا بھی بہت نفیس ہوتی تھی۔اعلیٰ کوالٹی کا عطر استعمال کرتے تھے۔ان کے پاس بیٹھنے والا ذہنی وقلبی اطمینان اورصفائے باطن محسوس کرتا تھا اور جب اٹھ کر جاتا تھا تو روحانی ذوق کے ساتھ ساتھ عطر کی وہ مخصوص خوشبو بھی ساتھ لے جاتا تھا جو میاں صاحب کے قریب بیٹھنے کی بدولت اس کے لباس میں رچ بس چکی ہوتی تھی۔

اچھے اور برے لوگوں کی صحبت وہم نشینی کے مفید ومضر اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ الْعَطَّارِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ أَصَابَكَ رِيْحُهُ ، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ مَثَلُ الْقَيْنِ إِنْ لَمْ يُحْرِقْكَ بِشَرَرِهِ عَلَقَ بِكَ مِنْ رِيْحِه ۔ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْبَزَّارُ وَأَحْمَدُ ۔وَقَالَ الْحَاكِمُ :هٰذَاحَدِيْثٌ صَحِيْحُ الإِسْنَادِ ۔

''حضرت ابوموسیٰ (اشعریؓ) سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اچھے ساتھی کی مثال عطار کی سی ہے۔اس سے اگر تمھیں اور کچھ بھی نہ ملے تو اس کی (اچھی) خوشبو تو پہنچ ہی جائے گی، اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی سی ہے۔اگر اس (کی بھٹی کے) شعلے تجھے نہ بھی جلائیں تو اس کی (بھٹی کی) بدبو تو تمھیں ضرور پہنچے گی۔'' (المنہاج السوی،ص536)

تُصَاحِبْ إِلَّامُؤْمِنًا ، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ ۔ وَقَالَ أَبُوْعِيْسَى :هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ ۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (سچے) مومنوں کی صحبت ہی اختیار کرو اور تمھارا کھانا صرف پرہیز گار (دوست) ہی کھائے۔'' (المنہاج السوی،ص537)

گِلے خوشبوئے در حمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مُشکی یا عبیری کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم ہستم
(گلستان سعدی، ص 11)

ترجمہ: ایک دن حمام کی خوشبودار مٹی مجھے محبوب کے ہاتھ سے ملی۔ میں نے اسے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں۔ وہ کہنے لگی کہ میں تو ایک ناچیز مٹی ہی ہوں۔ لیکن صرف یہ بات ہے کہ ایک مدت پھول کی صحبت میں رہی۔ چنانچہ اس ہمنشیں کا جمال مجھ میں اثر کر گیا۔ ورنہ میں وہی مٹی ہوں۔ اور ؎

بھیکا گُر توں واریا، جس تیلوں کیا پھلیل گُر بن سمجھ نہ آوندی ایہہ الٹ پلٹ کی کھیل

میاں صاحب سے میری نہایت محبت اور عقیدت کی وجہ ان کی اولیاء اللہ سے خصوصاً داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ، بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اور مرشدِ کامل میاں علی محمد رحمتہ اللہ علیہ سے شدید محبت تھی۔ اکثر ان حضرات کا ذکر فرماتے رہتے تھے اور میں شوق سے سنتا رہتا تھا۔ وہ سناتے نہ تھکتے تھے اور میں سنتے نہ اکتاتا تھا۔ میاں صاحب بڑے دھیمے لہجے میں بات کرتے تھے۔ اگر مجھے کوئی بات سمجھ نہ آتی تو میں تکرار کرتا رہتا تھا اور وہ نہایت تحمل اور پیار سے مجھے سمجھاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات تبادلہ خیال یا بحث کا یہ سلسلہ گھنٹوں پر محیط ہو جاتا تھا۔ مگر میاں صاحب سمجھا کے ہی دم لیتے تھے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو تمام کام موقوف کر دیتے تھے۔ موسم اور موقع محل کے مطابق کھانے، چائے یا کسی مشروب سے اس کی تواضع کرتے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ اتنے طویل عرصے کے دوران جتنی بھی ملاقاتیں ہوئیں کبھی ان کی مہمان نوازی، توجہ اور التفات میں کبھی کوئی کمی محسوس ہوئی ہو۔ تواضع کا یہ حال تھا کہ گھنٹوں حاضر رہتا لیکن وہ کبھی بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ اب جاؤ پھر کبھی آنا یا مجھے کسی کام کے لیے جانا ہے پھر ملیں گے۔ انھوں نے میری شخصی تعمیر اور روحانی تربیت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ مثلاً ایک بار مجھے رجعت ہوئی، تمام وظائف چھوٹ گئے۔ نمازیں بھی قضا ہونے لگیں۔ میں میاں صاحب کے پاس حاضر ہوا اور اپنی کیفیت کا ذکر کیا۔ فرمانے لگے بازار سے ایک کتاب لے آؤ۔ یہ درود شریف کی کتاب ''دلائل الخیرات'' تھی۔ میں ان کے حسبِ ارشاد چلا گیا اور بھوانہ بازار میں غزالی بک ڈپو سے وہ کتاب لے آیا۔ میاں صاحب نے اس کتاب میں ساتوں ایام کی منازل کی نشاندہی کی اور مجھے تلقین کی کہ میں روزانہ ایک منزل پڑھ لیا کروں۔ میں یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا اور کہا میاں صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ وظائف تو پہلے ہی چھوٹ چکے ہیں۔ نمازیں بھی قضاء ہو رہی ہیں۔ الٹا آپ نے مجھے درود شریف پڑھنے کا لمبا چوڑا پروگرام بتا دیا ہے۔ یہ کیسا روحانی علاج ہے؟ مسکرا کر فرمانے لگے، پڑھو تو سہی تمام کام آسان ہو جائیں گے۔ اسے پڑھنا مشکل نہیں۔ روزانہ کی منزل بیس منٹ میں پڑھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے پڑھنے کی توفیق بھی عطا ہو جائے گی۔ میں مجموعہ وظائف ''دلائل الخیرات'' گھر لے آیا اور الماری میں رکھ دیا۔ ایک دن خیال آیا کہ میاں صاحب کے حسبِ ارشاد پڑھ کر دیکھ لوں، کیا حرج ہے۔ وضو کیا اور اس روز کی منزل پڑھ لی۔ اگلے روز بھی اس روز کی منزل پڑھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چند دنوں میں رجعت جاتی رہی۔ نماز قائم ہو گئی۔ ذکر و فکر کا سلسلہ بحال ہو گیا اور میرے دیگر معاملات بھی اس قدر تیزی سے درست ہونے لگے کہ میں حیران رہ گیا۔ انھی دنوں میرے مرشد حضرت خواجہ غلام نصیر الدین رحمتہ اللہ علیہ بھی زیادہ التفات فرمانے لگے اور مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ تمھاری فائل پر از سرِ نو

نظر ثانی کا حکم آیا ہے۔ زیادہ حاضری دیا کرو۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے پیرومرشد کے پاس حاضر ہوں اور وہ میری دستار بندی فرمارہے ہیں۔ چند ایک دیگر حضرات کی بھی دستار بندی ہوئی۔ انھیں جوگیا رنگ کی دستار باندھی گئی جبکہ مجھے سیاہ رنگ کی۔ یاد رہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستار خود بھی پہنی ہے اور اس کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سیاہ یا سفید رنگ کی دستار پہنا کرتے تھے۔ میں نے اپنے پیرومرشد یا کسی پیر بھائی سے اس خواب کا ذکر نہ کیا۔ میاں صاحب کو یہ خواب سنایا تو خوش ہوئے۔ فرمانے لگے روحانی دنیا میں تمھاری دستار بندی ہو چکی ہے۔ باطنی طور پر تم خلیفہ مقرر ہو چکے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ظاہری رسم بھی پوری ہو جائے گی۔ ان ایام میں، میں نے ایک خاص تبدیلی دیکھی۔ میں جدھر بھی جاتا لوگ پہلے سے بھی زیادہ احترام سے پیش آتے اور بعض تو برملا حضرت یا پیر کہہ کر مخاطب کرنے لگے۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ سالک درحقیقت دنیاوی عزت وشہرت کا طلب گار ہرگز نہیں ہوتا اور نہ ہی خلافت کا۔ خلافت اُسے ہی ملتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہو۔ اِس کی دربارِ رسالت سے منظوری ہوتی ہے اور بعد میں ظاہری اسباب فراہم ہوتے ہیں۔ میرا کبھی بھی یہ مطمع نظر نہیں رہا کہ مجھے خلافت ملے یا لوگوں میں تکریم پاؤں۔ میں ہمیشہ طالبِ حق رہا ہوں اور بفضلِ تعالیٰ طالبِ حق ہوں۔ یہ ذاتی تجربات اور مشاہدات بیان کرنے کا مقصد محض شکرانِ نعمت ہے اور طالبانِ حق کی تعلیم وتربیت کے لیے اہم امور کا ذکر مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت زماں اور مکاں کے پابند نہیں۔ یہ فضل وکرم اور رحمت کسی پر بھی ہو سکتے ہیں۔ بندہ عاجز جن امور کا ذکر کر رہا ہے وہ اس کے علم ویقین کے مطابق عین درست ہیں اور محض ذات باری تعالیٰ کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے ہیں۔ جو مجھے حاصل ہوا وہ ہر کسی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ مجھے کسی طرح کی کوئی فوقیت یا برتری حاصل نہیں۔ میرا حق پرستی کا جذبہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں سلسلہ اولیاء کی حقانیت بیان کرنے میں کتابی باتوں اور حکایات کا سہارا لینے کے بجائے ذاتی تجربات ومشاہدات بیان کروں تاکہ اہلِ حق کے ایمان وایقان میں اضافہ ہو اور وہ خود اس راہ پر خلوص دل سے چل کر دیکھ لیں۔ دامانِ مصطفےٰ تھام کر دیکھیں، رحمتِ حق کو منتظر پائیں گے۔

بہرحال میں دوبارہ خلافت والی بات کی طرف آتا ہوں۔ چند ماہ بعد سالانہ عرس مبارک کے موقع پر میرے پیرومرشد نے فرمایا مجھے باطنی طور پر حکم ہوا ہے، میں آپ کو خلافت دینے کا اعلان کرتا ہوں۔

میرے نزدیک خلافت سے مراد یہ ہے کہ اب آپ مخلوقِ خدا کی خدمت کر سکتے ہیں اور انھیں اولیاء اللہ کے فیض سے مستفید کر سکتے ہیں۔ خلیفہ نامزد ہونے سے مراد خادمِ خلق مقرر ہونا ہے۔ زندگی کا اصل مقصد یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق مضبوط بنائیں اور اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کی خدمت سرانجام دیں اور ان کا بھی یہ روحانی رشتہ مضبوط بنائیں۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ آج کل تصوف کے نام پر بازاری پیرفقیر اپنی دکان داریاں چمکا رہے ہیں اور دنیاوی آسودگی حاصل کر رہے ہیں مگر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ایسے جعلی پیروں اور فقیروں کی وجہ سے حقیقی اسلامی تصوف اور صوفیا کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ کیا جعلی فوجیوں یا عطائی ڈاکٹروں وحکیموں کے بہانے سے تمام فوجیوں، ڈاکٹروں اور حکیموں کی حقانیت کو جھٹلا دیا جائے گا۔ انکار اور رد تو جعل سازوں اور دھوکا بازوں کا ہوگا نہ کہ مخلص افراد کا۔

خلافت عطا ہونے کے بعد میں نے باقاعدہ طور پر خدمتِ خلق کا فریضہ سرانجام دینا شروع کر دیا۔ یہاں اس سلسلے

میں تفصیلات بیان نہیں کروں گا کیونکہ آج میں خصوصاً میاں صاحب کے بارے میں کچھ یادداشتیں تحریر کرنا چاہتا ہوں، اس لیے دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

میاں صاحب نے مجھے دلائل الخیرات (درود شریف) کی اجازت عنایت فرمائی تھی جس کے فیضان کی بدولت ہی مجھے روحانی ترقی حاصل ہوئی جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔

درود شریف کی بدولت مجھے بہت سے دینی، دنیوی اور روحانی فوائد حاصل ہوئے۔ اس کی بدولت بڑی سے بڑی مشکل اور پریشانی دور ہوئی۔

ایک بار میں درود شریف پڑھ رہا تھا تو حالتِ بیداری میں ہی دیکھا کہ میرے اردگرد محفل لگی ہوئی ہے۔ بہت سے فرشتے درود شریف پڑھ رہے ہیں۔ کسی کی آواز آتی ہے یہ شخص درود شریف پڑھ رہا ہے اور اس کے مدارج بلند ہوتے جا رہے ہیں۔

میں بے گھر تھا۔ کرائے کے مکان میں رہتا تھا۔ اس درود شریف کی بدولت مجھے نہایت قیمتی اور کشادہ گھر نصیب ہوا۔ درود شریف کی بدولت گھر کا ملنا بھی بہت ایمان افروز سلسلہ واقعات ہے جس کا آئندہ کہیں ذکر ہوگا۔

میاں صاحب کے ارشاد کے مطابق جب میں ''دلائل الخیرات'' لینے کے لیے غزالی بک ڈپو، بھوانہ بازار، فیصل آباد پہنچا تو اس کے پروپرائیٹر رانا اشفاق کے بھائی حاجی ضیاء ذکر کر رہے تھے کہ وہ کسی سے پرائمری کلاسز کے سٹوڈنٹس کے لیے گائیڈ بکس لکھوانا چاہتے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں ان سے کچھ تبادلہ خیال کیا اور پھر انھیں پیش کش کی کہ میں انھیں یہ گائیڈ بکس لکھ دیتا ہوں۔ انھوں نے مجھے بطور نمونہ لکھنے کے لیے کچھ کام دیا۔ میں نے انھیں وہ نوٹس تحریر کر دیے۔ انھوں نے ماہر اساتذہ کو وہ نوٹس برائے جائزہ دیے۔ اساتذہ نے وہ نوٹس پسند کیے۔ تب سے بکس لکھنے کا سلسلہ جاری ہوا جو کہ اب بھی جاری ہے۔ الحمدللہ اس درود شریف کی برکت سے میری تحریر کردہ بکس کو اساتذہ وطلبا میں پذیرائی حاصل ہوئی اور میں غزالی بک ڈپو، خالد بک ڈپو، ہمدرد کتب خانہ، بابر بک ڈپو اور پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے لیے کتب، گائیڈز اور نوٹس تحریر کرتا رہا جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس طرح علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ مالی حالت بھی کافی بہتر ہوگئی اور یہ سلسلہ فیض وکرم جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

درود شریف حضور نبی کریم ﷺ سے نسبت اور تعلق مضبوط بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی بدولت آپ ﷺ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور یہ رابطہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ حق تک رسائی کا یہ آسان ترین ذریعہ ہے اور اس کی بدولت ہر نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ۔۔۔ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

(بانگِ درا، ص208)

میاں صاحب ''دلائل الخیرات'' کی اجازت دینے کے سلسلہ میں نہایت احتیاط فرماتے تھے۔ بڑا گوشت، لہسن، پیاز، مولی وغیرہ کھانے سے منع فرماتے تھے۔ چل پھر کر درود شریف پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے جائے نماز پر بیٹھ کر نہایت ادب، توجہ اور یکسوئی سے درود شریف پڑھا کریں۔

چند سال بعد مجھے میاں صاحب سے بھی خلافت واجازت حاصل ہوگئی۔ میری ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ اگر مجھے کوئی

اچھی بات معلوم ہو، اچھی کتاب ملے یا فیض حاصل ہو تو اسے دوسروں تک پہنچاؤں۔ میں نے میاں صاحب کی حیات میں ہی دو تین افراد کو ''دلائل الخیرات'' پڑھنے کی تعلیم اور اجازت دے دی۔ میاں صاحب کو علم ہوا تو قدرے خفا ہوئے۔ فرمایا میں نے اپنی زندگی میں سوائے تمھارے اس کی کسی کو اجازت نہیں دی۔ کئی برس بعد تمھیں اجازت ملی۔ تم نے بڑی عجلت میں ان افراد کو اجازت دے دی ہے۔ ان افراد کو میرے پاس لے کر آئیں تاکہ میں خود ان کا جائزہ لوں۔ مناسب ہوا تو اجازت بحال رکھوں گا نہیں تو منع کر دوں گا۔ میں ان افراد (محمد نعیم، غلام صمدانی) کو میاں صاحب کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے ان کا جائزہ لینے کے بعد ان کی اجازت بحال رکھی اور مجھے تلقین کی آئندہ اس قدر جلد اجازت نہ دو اور آئندہ بھی باادب، متقی، طہارت پسند افراد کو ہی اجازت دو۔ اس واقعہ کو قریباً دس برس بیت گئے ہیں۔ اس کے بعد اب تک میں نے صرف تین افراد کو ہی میاں صاحب کی طرف سے ''دلائل الخیرات'' پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

میاں صاحب وظائف کی نہایت پابندی فرماتے تھے۔ کسی بھی حالت میں اور کسی بھی موقع پر وظائف کا ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ تہجد کے وقت بیدار ہوتے تھے اور قریباً 11/12 بجے دوپہر کے قریب تک بند کمرے میں وظائف پڑھا کرتے تھے۔

ایک بار میاں صاحب بیمار ہوئے تو انھیں نیشنل ہسپتال فیصل آباد میں داخل کرایا گیا۔ میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا تو مجھے فرمانے لگے، جب تک میں معذور ہوں، تم میری جگہ پر تمام وظائف پڑھو۔ میں نے عرض کیا میاں صاحب اس قدر زیادہ وظائف میں کیسے پڑھ سکوں گا۔ فرمانے لگے چلو ''دلائل الخیرات'' ہی میری جگہ پر پڑھتے رہو۔ چند روز بعد تندرست ہونے پر انھوں نے ان تمام وظائف کی قضا دی تھی۔

میاں صاب اخفائے حال کے بہت زیادہ قائل تھے۔ کشف و مشاہدات ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ ذکر و فکر بھی تخلیہ میں کیا کرتے تھے۔ کسی سے ذکر تک بھی نہیں کرتے تھے کہ وہ کس قدر ذکر و فکر اور ریاضت و مجاہدہ کرتے ہیں۔ آپ لوگوں کو بیعت بھی نہیں فرماتے تھے۔ کئی سال تک تو میں تنہا ہی حاضر ہوتا رہا۔ بعد میں، میں نے بہ اصرار ان سے بیعت کی اور چند دوستوں کو بھی بیعت کرا دیا۔ مجھے کئی سال کے رابطے کی وجہ سے ان کی ریاضت و مجاہدہ کا کچھ اندازہ تو تھا، مگر یہ علم نہیں تھا کہ آپ کون کون سے اوراد و وظائف پڑھتے ہیں۔ مجھے شوق تھا کہ میاں صاحب کی پیروی کروں اور حتی المقدور اُن کا اتباع کروں۔ میاں صاحب سے اس سلسلے میں پوچھتا رہا۔ انھوں نے محض میری تعلیم اور تحریک کے لیے ایک دن ان تفصیلات سے آگاہ فرمایا جو کہ حیران کن تھیں۔ میاں صاحب روزانہ دلائل الخیرات مکمل پڑھتے تھے۔ دس ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھتے تھے۔ تلاوت قرآن مجید کے لیے وقت الگ مخصوص تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے متفرق اوراد و وظائف تھے۔

میاں صاحب سے نسبت رکھنے والے تنگ دست نہیں رہتے تھے۔ ان کی اولاد بھی بہت خوش حال ہے۔ کسی کی تنگ دستی کا سننے میں نہیں آیا۔ ان کے فرزندان میں ذکر و فکر اور ریاضت و مجاہدہ کا وہ رنگ نظر نہیں آتا۔ تاہم سب کے سب میاں صاحب سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ میں نے بزرگانِ دین کی اولاد میں سے کم کو ہی اپنے پدر سے اس قدر نسبت اور لگاؤ رکھتے دیکھا ہے۔ میاں صاحب سے نسبت کا ہی نتیجہ ہے کہ سب صاحبزادگان عشقِ رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہیں اور روحانی محافل میں ان کی یہ عقیدت اور وارفتگی قابلِ دید ہوتی ہے۔ سب کے سب نیک اور پرہیزگار ہیں، رزقِ

حلال کماتے ہیں اور حتی المقدور مخلوقِ خدا کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔

میاں صاحب کا آخری وقت قریب آیا تو بوقت ملاقات مجھ سے ارشاد فرمایا ''انجم صاحب آپ اب تک کتنی درسی و تعلیمی کتابیں لکھ چکے ہیں؟'' میں نے عرض کیا ''جناب! کی دعاؤں کی بدولت قریباً پانچ سو کے قریب انگریزی، کمپیوٹر سائنس اور اردو کے مضامین سے متعلقہ اردو میڈیم، انگلش میڈیم طلبا کے لیے انشائیہ ومعروضی بکس، گائیڈ بکس، خلاصے اور گرامر بکس تحریر کر چکا ہوں۔'' بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''اب ہماری بھی ایک کتاب لکھ دیں۔'' یہ کہہ کر آپ اپنے حجرہ مبارک سے ایک قلمی نسخہ لے آئے۔ اس میں انھوں نے اولیاء اللہ کے ملفوظات بقلم خود نہایت خوشخطی سے تحریر فرمائے تھے۔ نوٹ بک کا کاغذ بھی نہایت نفیس تھا۔ میں نے حسبِ ارشاد اِس تحریر کو کمپوز کرایا اور اِس کی پروف ریڈنگ شروع کر دی۔ میاں صاحب کی ہدایت کے بموجب زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے شعبہ اسلامیات کے صدر پروفیسر اقبال سے اس پر نظرِ ثانی بھی کرائی۔ افسوس کہ میاں صاحب اس کی تکمیل کے حتمی مراحل کے دوران ہی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔

بندہ عاجز کو میاں صاحب کی سرپرستی میں فریدالعصر میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تدوینِ نو کا فریضہ سرانجام دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ سب مسودات تیار پڑے ہیں مگر وسائل کی دشواریوں کی وجہ سے ان کی طباعت کا کام التواء کا شکار ہے۔ میاں صاحب سے بندہ عاجز کے روحانی تعلق اور معاملات کی تفصیل آئندہ اوراق میں موقع کی مناسبت سے بیان کروں گا۔ جب کبھی کوئی پریشانی ہوتی تو بندہ بحالتِ بیداری یا بحالتِ خواب ملاقات سے مشرف ہوتا اور عقدہ کشائی پاتا تھا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ وصال کے بعد میاں صاحب ایک بار خواب میں تشریف لائے۔ خواب کیا تھا بیداری کی حالت تھی۔ ملاقات ہوئی، کافی باتیں ہوئی۔ میں نے عرض کیا، میاں صاحب آپ تو زندہ ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ پردہ فرما چکے ہیں۔ فرمانے لگے انھیں اس زندگی کی خبر نہیں۔ یہ تو سرکار کا کرم ہے۔

آج میں اپنی شخصیت میں آنے والی تبدیلیاں دیکھتا ہوں تو میاں صاحب کی بہت یاد آتی ہے۔ یہ ان کی بابرکت صحبت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بندہ عاجز، گنہگار کو خلوت میں ذکر وفکر کی دولت نصیب ہے۔ مہمانوں کی خدمت سرانجام دے کر روحانی مسرت نصیب ہوتی ہے اور مخلوقِ خدا کی خدمت کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ میں ان نوازشات کے لیے اللہ تعالیٰ کا اور رسولِ پاک ﷺ کا بہت شکر گزار ہوں ؎

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا ،نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمھارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
عمل کی میرے اساس کیا ہے ،بجز ندامت کے پاس کیا ہے
رہے سلامت تمھاری نسبت ،میرا تو بس اک آسرا یہی ہے (خالد محمود خالد نقشبندی)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس حال میں جیو گے، اُس حال میں مرو گے اور قیامت کو اسی حال میں اٹھائے جاؤ گے۔ اس حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق اگر انسان اپنا حال سنوار لے تو اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوتا ہے اور اس کے بعد آخرت کی تمام منزلیں بھی آسانی سے اور احسن انداز سے طے ہو جاتی ہیں۔ اگر انسان اطاعت الٰہی اور اطاعتِ نبوی ﷺ بجا لاتا رہے تو اسی حالت میں اور اسی راہِ حق پر چلتے ہوئے اسے موت نصیب ہوتی ہے۔ وہ عالمِ برزخ

میں بھی عبادت میں مصروف رہتا ہے اور روزِ حشر ذکرِ الٰہی کرتا ہوا، اٹھے گا اور بارگاہِ حق میں پیش ہوگا۔
حدیث پاک میں ہے:
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنھما قَالَ :ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ ، فَإِذَا فِيْهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِی بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِیَّ ﷺ فقَالَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّی ضَرَبْتُ خِبَائِی عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيْهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتَّى خَتَمَهَا ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :هِیَ الْمَانِعَةُ ، هِیَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ ۔ وَقَالَ أَبُوْ عِيْسَى :هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ ۔
''حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک پتہ چلا کہ یہ قبر ہے اور اس کے اندر کوئی آدمی سورۃ الملک پڑھ رہا ہے۔ یہاں تک (اس صحابی نے سنا کہ) اس پڑھنے والے نے (قبر کے اندر) مکمل سورۃ الملک پڑھی۔ (یہ سن کر) وہ صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے (نادانستہ) ایک قبر پر خیمہ لگایا اور مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک سنا کہ ایک آدمی قبر میں سورۃ الملک پڑھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ (میں نے سنا) اس نے مکمل سورۃ الملک پڑھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ (سورۃ الملک) عذابِ قبر کو روکنے والی ہے اور عذابِ قبر سے نجات دینے والی ہے۔''
(المنہاج السوی، 708)

کسی اہلِ حق کی زندگی کا حقیقی جائزہ اس کے حاصلِ زندگی سے لگایا جاسکتا ہے۔ جن بزرگانِ دین سے مجھے حصولِ فیض کے مواقع میسر رہے، میں قرآن وحدیث کے میزان پر ان کے معاملات کو پرکھتا رہا اور ان کے وقتِ وصال کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ الحمدللہ اہلِ حق کو موت کے وقت کلمہ طیبہ نصیب ہوتا ہے۔ انھیں نزع کے وقت آسانی رہتی ہے۔ مرنے کے بعد بھی ذاتِ حق ان کی نیکیوں میں اضافے کا سلسلہ جاری فرمادیتی ہے۔

میاں صاحب کے وصال سے چند سال قبل میں نے میاں صاحب کے بارے میں خواب دیکھا۔ میں پریشان ہوگیا اور انھیں خواب سنایا۔ میاں صاحب نے فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی رضا۔ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔ الحمدللہ میاں صاحب اس کے بعد کئی سال زندہ رہے۔ جہاں تک مجھے مراقبہ وکشف سے علم حاصل ہُوا، میاں صاحب کی عمر میں اضافہ کردیا گیا کیونکہ وہ ابھی کچھ مصالح کی بنا پر اس دارِ فانی سے کوچ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عمر بڑھا دیتا ہے اور جب وہ ذہنی طور پر آمادہ ہوں تب انھیں وصال کے لمحوں سے گزارا جاتا ہے۔

وفات سے ایک روز قبل اماں جی (میاں صاحب کی زوجہ محترمہ) کو خواب آیا کہ ایک گاڑی ان کے دروازے پر آکر رکی ہے۔ اس میں ڈرائیور کے علاوہ باوردی گارڈ ہے۔ گارڈ انھیں کہتا ہے کہ ہم حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے آئے ہیں اور آپ کو لینے آئے ہیں۔ وہ گاڑی پر سوار ہونے لگتی ہیں تو میاں صاحب انھیں روک لیتے ہیں اور کہتے ہیں تم یہیں رکو، میں جاتا ہوں۔ میاں صاحب گاڑی پر سوار ہوگئے اور چلے گئے۔

اگلے دن میاں صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی۔ ان کے تمام بیٹے اکٹھے ہوگئے اور ہسپتال لے جانے لگے۔ میاں

صاحب منع کرتے رہے مگر ان کے اصرار پر ہسپتال تشریف لے گئے۔ وہاں کہہ کر بیڈ پر صاف ستھری چادر بچھوائی۔ لیٹ گئے۔ایک دو گہرے سانس لیے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میاں صاحب کے جنازے میں مخلوق خدا کا جم غفیر شامل ہُوا۔ آپ کو قریبی قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ بعد از وصال بھی ان کا اور خوشبو کا سفر ساتھ ساتھ جاری رہا۔ ان کی تربت پر کسی بھی وقت چلے جائیں تازہ گلاب کے پھولوں کی مہک استقبال کرتی ہے اور حاضرین کے قلوب اور زبانوں پر درود شریف جاری ہو جاتا ہے۔ ھذا من فضل ربی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

میاں صاحب کی طرف سے تلقین حق کا سلسلہ ان کے بعد از وصال بھی جاری رہا۔ میاں صاحب کے وصال کے بعد میں نے ان کے تلقین کردہ اوراد و وظائف اور درود شریف کے ورد کی مزید سختی سے پابندی کرنا شروع کر دی۔ چند ماہ بعد کسی مصروفیت کی وجہ سے چند روز ''دلائل الخیرات'' نہ پڑھ سکا۔ میاں صاحب خواب میں اپنے بیٹے صاحبزادہ اعجاز صاحب سے ملے، انھیں فرمایا، انجم صاحب سے کہنا چند روز سے آپ کی طرف سے تحفہ وصول نہیں ہو رہا۔ انھیں یہ بھی کہنا کہ ''اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنَا بِسِتْرِکَ الْجَمِیْلِ'' کا ورد بھی کیا کریں۔ اعجاز صاحب کے علم میں نہیں تھا کہ یہ ورد ''دلائل الخیرات'' میں سے ہے۔ میاں صاحب نے اس ورد کے حوالے سے اپنے روحانی رابطہ کی خود ہی تصدیق فرما دی تھی کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کے بعد میاں صاحب اور میرے دو تین عزیزوں کے علاوہ کوئی بھی اس بات سے آگاہ نہیں تھا کہ میاں صاحب کی طرف سے مجھے ''دلائل الخیرات'' پڑھنے کی اجازت ہے اور یہ وظیفہ اس میں سے ہے۔ بے شک انسان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد صدقہ جاریہ کی صورت میں اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشادِ نبوی ﷺ ملاحظہ کرنے کا شرف حاصل کیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقُطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ :إِلَّامِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ـ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ـ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ ـرَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالْبُخَارِيُّ فِي الْأَدبِ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه ـ

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (ان کا اجر اسے برابر ملتا رہتا ہے:) ایک وہ صدقہ جس کا نفع جاری رہے، دوسرا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسری وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔'' (المنہاج السوی، 487)

نوٹ:۔ میاں صاحب کی ایک بہن تھی۔ ان کے چھ (6) بیٹے اور چار (4) بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں کے نام بلحاظ عمر بالترتیب یہ ہیں 1- شیخ منصور احمد 2- شیخ اعجاز احمد 3- شیخ محمود مسعود 4- شیخ محبوب مسعود 5- شیخ غلام فرید 6- شیخ ندیم مسعود ضیا۔

عقیدت کے پھول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

ہر طرح کی ستائش یعنی حسن و جمال کے اعتراف اور کبریائی و کمال کے اعتقاد کے ساتھ جو کچھ بھی اور جیسا بھی کہا جائے صرف حق تعالیٰ سبحانہٗ کے لیے ہے جو ظاہر و باطن اور اول و آخر میں تمام کائنات خلقت کا پروردگار ہے۔ جس کی پروردگاری کائنات خلقت کے ہر وجود کو زندگی اور بقاء کا سروسامان بخشتی اور پرورش کی ساری ضرورتیں مہیا کرتی رہتی ہے۔ مدام پاکیزہ بابرکت ہے جس نے ہدایت کے طریقے اپنے اولیاء پر واضح و منکشف فرما کر ہر قسم کی خیر و برکت ان کے ہاتھوں پر رکھ دی اور ذلالت و گمراہی کی ہلاکت سے انھیں مامون و محفوظ رکھا۔ جو کوئی ان کے زمرے میں داخل ہوتا ہے وہ نفس اور شیطان پر غالب ہو کر نیک راہ کی ہدایت پاتا ہے اور منزلِ مقصود پر پہنچ کر فائض المرام ہوتا ہے۔ جو کوئی ان کی پیروی سے گریز کرتا ہے وہ ٹھوکر کھا کر اوندھے منھ گرتا ہے اور گمراہ ہو کر رہ جاتا ہے اور انھیں برا جان کر ان سے بھاگنے والا راہِ راست سے دور ہو کر بُری طرح ہلاک ہوتا ہے اور تمام تر حمد و ثنا اسی کے لیے ہے جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ان کو درست بنایا، تقدیریں لکھیں اور راہ بتائے۔ کسی کو مقرب کیا اور کسی کو راندہ درگاہ بنایا، کسی کو نیک بنایا اور کسی کو بد کیا، کسی کو نعمت سے محروم رکھا اور کسی کو عطا کی۔ تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں جس کے حکم محکم سے یہ مضبوط ہفت سمٰوات قائم ہیں۔ جو رحمت والا ہے۔ جس کی رحمت تمام کائنات ہستی کو اپنی بخششوں سے مالا مال کر رہی ہے۔ اس کی بندگی اور عبادت سے کوئی عار نہیں جو جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے اور جس کی عدالت نے ہر کام کے لیے بدلہ اور ہر بات کے لیے نتیجہ ٹھہرا دیا ہے۔

یا الٰہی! ہم تیری ہی پاکی بیان کرتے ہیں اور صرف تو ہی ہے جس سے زندگی اور آخرت کی ساری احتیاجوں میں مدد مانگتے ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس کی بندگی کی جائے اور طاقت اور بخشش کا کوئی سہارا نہیں جس سے مدد مانگی جائے۔ یا الٰہی! ہم پر فلاح و سعادت کی سیدھی راہ کھول دے وہ راہ جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا۔ ان کی نہیں جو تیرے حضور مغضوب ہوئے اور نہ ان کی جو راہ سے بھٹک گئے۔ پس تو ہی اپنی مہربانی اور عطائے نعمت کے لیے ہر طرح قابلِ حمد و ستائش اور ہم کو محنت و بلا سے بچانے کے لیے قابل شکر و سپاس ہے۔

بے شمار درود و سلام حضور نبی اکرم رسولُ اللہ ﷺ پر جن کا نام نامی اسمِ گرامی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہے جو افضل الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین، محبوب رب العالمین اور آخر الزمان پیغمبر و نبی برحق ہیں۔ جس نے آپ ﷺ کی صدقِ دل سے پیروی کی وہ داخل منزلِ مقصود ہوا اور اس کے لیے کسی قسم کا غم نہیں۔ جس نے رُوگشی کی وہ قعرِ مُذِلّت

میں پڑ کر مردود ہوا اور ہلاک ہو گیا۔ آپ ﷺ کی شانِ محبوبی اور عظمت کا اندازہ اس سے ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات مقدس آپ ﷺ کی ذات اطہر پر دائماً درود بھیجتی ہے اور بندوں پر بھی آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر پر شب و روز درود بھیجنا اور سلام بھیجنا فرض کر دیا۔ آپ ﷺ کا حکم حق تعالیٰ کا حکم، آپ ﷺ کا کلام حق تعالیٰ کا کلام۔ آپ ﷺ کی تعظیم و تقدیس حق تعالیٰ کی توقیر و عظمت۔ آپ ﷺ کا سننا حق تعالیٰ کا سننا۔ آپ ﷺ کا دست مبارک حق تعالیٰ کا دست مبارک۔ آپ ﷺ کا نُور حق تعالیٰ کا نُور۔ آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمان برداری حق تعالیٰ کی اطاعت و فرمان برداری۔ آپ ﷺ کی نافرمانی حق تعالیٰ کی نافرمانی اور آپ ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کی آل کے ساتھ دشمنی حق تعالیٰ کے ساتھ دشمنی اور بغض ہے۔ آپ ﷺ کا حسن بے نظیر اور بے مثال، آپ ﷺ کے اخلاق خلقِ عظیم، آپ ﷺ کی شفقت بے انتہا، آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر رحمت اللعالمین، آپ ﷺ کی ہر ادا محبوبِ رب العالمین۔ آپ ﷺ کی بزرگی اور عصمت کی حق تعالیٰ نے قسمیں کھائیں۔ آپ ﷺ نے باوجود قدرت رکھتے ہوئے دنیا کو اور دنیا کی ہر نعمت و آسائش کو ترک کر دیا اور فقر و مسکینی اختیار فرمائی۔ آپ ﷺ نے ملائکہ کو شرف قدم بوسی بخشا اور جنات کو بھی اپنی گوہر ریزیوں سے نوازا اور ان میں سے بہت سے دائرہ اسلام میں آ گئے۔ شجر و حجر آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوئے اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ حیوانات نے بھی آپ ﷺ کی بارگاہ اقدس میں سجدہ ریزی کی اور اپنی فریادیں عرض کیں۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر نے ان کی فریاد رسی فرمائی اور شفقت بے انتہا فرمائی اور ان کے مالکان کو ان کے ساتھ عفو و رحم کا درس فرمایا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی محبوب ترین اور بزرگ تر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر کی جلوہ افروزی اور گوہر ریزی سے دنیا میں حق پھیلا اور باطل پرستی دور ہوئی۔ آپ ﷺ کے نورِ مقدس سے ہی سارے جہان منور ہیں اور سارے عالم برکت ہائے گوناگوں سے معمور ہوئے۔

یا الٰہی! اپنے پیارے محبوب، اپنے پیارے رسول، حضور پُرنور، افضل الانبیاء، سیّد المرسلین، خاتم النبیین، حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر بے شمار اور بے انتہا درود و سلام پہنچا اور بے شمار پاک و ستودہ برکتیں نازل فرما اور نیک و پاک بندوں یعنی آپ ﷺ کی آل و اصحاب و اہل بیت و تابعین و تبع تابعینؒ پر اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں پر بھی اور جو تمام خلقت سے نیک ترین خیال اور بہترین کردار والے اور حق تعالیٰ کے دوست تھے اور اس وقت بھی ہیں انھیں بھی اپنی رحمتِ کاملہ سے نواز اور ان کے درجات بلند فرما۔ (آمین)

❁❁❁❁❁

خواجہ خواجگان

خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز

نور دیدۂ رسول، سرورِ سینہ بتول، السید الکبیر والولی الشہیر، فخر الاولین وحبیب رب العالمین، سلطان الاولیاء الانام، صدر العرفاء الکرام، خواجہ خواجگان، شیخ الشیوخ، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز کی شخصیت اظہر من الشمس ہے اور کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ سارے جہان میں آپ کے نور کی ضیا پاشیاں ہیں اور فیوضات و برکات کے چشمے جاری ہیں۔ آپ مرید و خلیفہ اعظم قدوۃ الاولیاء زبدۃ الاصفیاء شیخ الشیوخ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ ابوالنور عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز کے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت مورخہ ۱۴ رجب المرجب ۵۳۷ھ میں بمقام سنجر ہوئی۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام نامی اسم گرامی مولانا سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ والد محترم کی طرف سے حسینی اور والدہ مکرمہ کی طرف سے حسنی ہیں۔ چنانچہ آپ کا سلسلہ نسب سولھویں پشت میں سیدنا حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی ذات مقدس سے ملتا ہے۔ آپ کا وصال مورخہ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں ستانوے برس کی عمر میں ہوا۔ بعد وصال آپ کی پیشانی مبارک پر یہ عبارت بخط نورانی صاف لکھی ہوئی تھی۔

''مَاتَ حَبِیْبُ اللّٰہِ فِیْ حُبِّ اللّٰہ'' اللہ تعالیٰ کا دوست اللہ تعالیٰ کی محبت میں وصال فرما گیا۔

جس روز آپ کا وصال ہوا، اس شب اکثر اہل اللہ نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی اکرم نورِ مجسم ﷺ مع اصحاب تشریف لائے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا دوست معین الدین حسن دنیا سے آ رہا ہے، ہمیں اس کا استقبال کرنا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہ

آپ کا مزار پُر انوار مقدس سرزمین اجمیر معلیٰ میں مرکزِ تجلیات ہے۔ جس طرح آپ کی ذاتِ اطہر مرجع خاص و عام تھی، اسی طرح آپ کا مزار پُر انوار مرجع خاص و عام ہے۔ ہر وقت تشنگانِ ہدایت کا وہاں بے پناہ ہجوم لگا رہتا ہے جو کہ آپ کے فیوضاتِ باطنی سے انوار و برکات حاصل کرتے رہتے ہیں۔ مادہ تاریخ وصال کسی نے خوب لکھا ہے۔

(آفتاب ملک ہند)

از پئے نقشِ گنبد خواجہ معین الدین ۔۔۔ گفت ہاتف گو معظم قبۂ عرشِ بریں
شد ز دنیا چو در بہشت بریں ۔۔۔ مرشد متقی معین الدین
گفت تاریخ رحلتش سرمد ۔۔۔ محرمِ دل ولی معین الدین
خاصانِ خدا خدا نہ باشد ۔۔۔ لیکن ز خدا جدا نہ باشد

خواجہ معین الدین کے گنبد کے نقش کے بارے میں غیبی آواز آئی کہ اسے عرشِ معلیٰ کا گنبدِ اعظم کہیں۔ جب پرہیز گار و پارسا

معین الدین دنیا سے بہشتِ بریں پہنچے، سرمد نے ان کی تاریخ وفات کہی، ''محرمِ دل ولی معین الدین''۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے خدا نہیں ہوتے لیکن وہ خدا سے جدا نہیں ہوتے۔

نوٹ:۔ قطعہ ''محرمِ دل ولی معین الدین'' میں خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا سنِ وفات (633 A.H) مذکور ہے۔

محرم				دل		ولی			معین				الدین				
م	ح	ر	م	د	ل	و	ل	ی	م	ع	ی	ن	ا	ل	د	ی	ن
۴۰	۸	۲۰۰	۴۰	۴	۳۰	۶	۳۰	۱۰	۴۰	۷۰	۱۰	۵۰	۱	۳۰	۴	۱۰	۵۰
288				34		46			170				95				

288+34+46+170+95 = 633

اقوال زریں

خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہ العزیز

اسمائے الٰھی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

'اللہ' اس پاک ذات وحدہ لاشریک کا اسم اعظم ہے جو واجب الوجود زندہ اور قائم ہے، جس کو فنا نہیں بقا ہے۔ جمیع نقائص وزوال سے مبرا اور پاک ہے۔

اسمائے الٰھیہ چار ہیں:۔ اَوَّلُ ، اٰخِرُ ، ظَاھِرُ ، بَاطِنُ، جن پر اللہ ورحمٰن چھائے ہوئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے کہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۔۔۔۔۔o

فرما دیجیے کہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو پکارو، جس نام سے بھی پکارتے ہو (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔ (سورۃ الاسراء:110)

ابتدا لفظ اول کے ساتھ ہے اور انتہا لفظ آخر ہے۔ ان دونوں کا اشتراک اسم باطن کے ساتھ ہے۔ اعراف کی صورت میں آیا ہے کہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْ ءٍ یعنی میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔

میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔

اسمائے ذاتیہ تیس ہیں، جن میں ذات پاک کا ظہور مضمر ہے، وہ یہ ہیں:

اَللّٰہُ ، رَبُّ، مَلِکُ ، قُدُّوْسُ ، سَلَامُ ، مُؤْمِنُ، مُھَیْمِنُ، عَزِیْزُ ، جَبَّارُ ، مُتَکَبِّرُ، عَلِیُّ ، اَلْعَظِیْمُ، ظَاھِرُ، بَاطِنُ ، اَوَّلُ، اٰخِرُ ، کَبِیْرُ ، جَلِیْلُ ، مَجِیْدُ ، حَقُّ ، مَتِیْنُ، وَاحِدُ ، مَاجِدُ ، صَمَدُ ، مُتَعَالِ، غَنِیُّ، نُوْرُ ، وَارِثُ، ذُوْالْجلَالِ، رَقِیْبُ

اسمائے صفاتیہ چوبیس ہیں، جن میں اس پاک ذات نے ظہور فرمایا۔

حَیُّ ، شَکُوْرُ ، قَھَّارُ، قَاھِرُ ، مُقْتَدِرُ ، قَوِیُّ ، قَادِرُ ، رَحْمٰنُ ، رَحِیْمُ ، کَرِیْمُ ، غَفَّارُ، غَفُوْرُ ، وَدُوْدُ ، رَءُوْفُ ، حَلِیْمُ ، صَبُوْرُ ، بَرُّ ، عَلِیْمُ ، خَبِیْرُ ، مُحْصِیُ، حَکِیْمُ ، شَھِیْدُ ، سَمِیْعُ ، بَصِیْرُ

اسمائے افعالیہ انتالیس (۳۹) ہیں۔

مُبْدِئُ ، وَكِيْلُ ، بَاعِثُ ، مُجِيْبُ ، وَاسِعُ ، حَسِيْبُ ، مُقِيْتُ ، حَفِيْظُ ، خَالِقُ ، بَارِئُ ، مُصَوِّرُ ، مُعِيْدُ ، مُحْيِى ، مُمِيْتُ ، وَالِىُ، تَوَّابُ ، مُنْتَقِمُ ، مُقْسِطُ ، جَامِعُ ، غَنِىُّ ، مُغْنِىْ ، مَانِعُ ، ضَآرٌّ، وَهَّابُ ، رَزَّاقُ ، فَتَّاحُ ، قَابِضُ، بَاسِطُ ، حَافِظُ ، رَافِعُ ، مُعِزُّ ، مُذِلُّ، حَكَمُ ، عَدَلُ ، لَطِيْفُ ، نَافِعُ ، هَادِىُ ، بَدِيْعُ ، رَشِيْدُ

جب ذات اقدس کسی تجلی سے متصف ہوتو اسے اسم کہتے ہیں۔لہٰذا رحمٰن رحمت والی ذات کواور قہار،قہر والی ذات کا نام ہے۔صفات معقولی چیز کو کہتے ہیں۔ان کے لیے وجود عینی نہیں ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ تمام صفاتِ حسنہ اس ذات باری تعالیٰ میں موجود ہیں اور یہ اس میں کما حقہ مضمر ہیں۔ان کا نشان بجز ذات حق وحدت الوجود، کہیں نہیں مل سکتا۔پس یہ تمام اسماء ہستی مطلق کا مظہر ہیں جس میں غیر کو دخل نہیں اور جمیع حقائق شاہد ہیں کہ ان تمام انوار و برکات کا کوئی نہ کوئی مرکز ہے جسے نظر انسانی سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ وہ پس پردہ ہے، جہاں وہ موجود ہے۔ملائکہ اور جن و بشر کا فہم وادراک اس مقامِ ارفع پر پہنچنے سے قاصر ہے۔البتہ جس کو وہ اپنا تا ہے،اس پر اپنی رحمتِ کاملہ سے حجاب اٹھا دیتا ہے۔

دین اسلام

اسلام کی حقیقت یہ پانچ امر ہیں۔
(۱) شہادت توحید و رسالت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج
اسلام دینِ فطرت ہے۔ دین اسلام کی خصوصیات یہ ہیں کہ جو شخص اس میں داخل ہو گیا یعنی ایمان لے آیا، وہ سلامتی میں آ گیا۔

ایمان کے لفظی معنی یقین سے مان لینا اور شریعت و حقیقت کی اصطلاح میں حق تعالیٰ سبحانہ کی واحدانیت پر اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت و رسالت اور یہ کہ وہ خاتم النبیین، سید المرسلین، امام الانبیاء، محبوب رب العالمین اور رحمت اللعالمین ہیں اور تمام رسولوں پر جو کہ پہلے گزر گئے اور کتابوں پر اور اس کے فرشتوں پر، قیامت پر، حشر نشر پر، حساب و میزان پر، جزا و سزا پر، جنت و دوزخ پر، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر، اور تقدیر کے عوامل پر محکم اور غیر متزلزل یقین رکھنا ایمان ہے۔

ایمان لانے کے بعد بندے کو شعور حاصل ہو جاتا ہے اپنی ہستی کے پہچاننے کا کہ وہ کس قدر ناقص اور عاجز و فانی ہے اور اس کا وجود کس حقیر شے سے عمل میں آیا ہے اور اس پر بے انتہا انعامات حق تعالیٰ سبحانہ کے ہیں اور اسے حق تعالیٰ سبحانہ کی ہستی اور ذات و صفات کا علم ہوتا ہے جو کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جس کو فنا نہیں بقا ہی بقا ہے۔

اسلام ہر آسمانی دین کی بنیاد ہے اور دین اسلام کی بنیاد اخلاق ہے۔

ہر ایک دین کے واسطے خلق ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔

دین اسلام سراپا ادب ہے جو اس کو ملحوظ نہیں رکھتا، حرماں نصیب ہے۔ اخلاق ادب سکھاتا ہے۔ ادب کے ذریعے معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے، طریقت و حقیقت کا درس ملتا ہے اور تمام برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

اسلام ایک ضابطہ حیات ہے جس کے بنیادی اصول ایمان، اتحاد، تنظیم، اخلاق، اخلاص، ہمدردی، اخوت اور ایثار ہیں۔

علم دین وہ علم ہے جو حق تعالیٰ کا خوف زیادہ کرے، ذاتی برائیوں سے واقف کرے، حق تعالیٰ کی عبادت کا شوق دل میں پیدا کرے، دنیا سے ہٹائے، دین کی طرف لگائے اور برے افعال سے مجتنب کرے۔

ایثار اپنے مسلمان بھائی کی اعانت کے لیے مستعد رہنا اور اس کی آسائش کے لیے اپنا حق چھوڑ دینا ہے اور اپنے ہم نشین کے حقوق کی پوری حفاظت ہے۔

تمام صفات محمودہ کا انسان کی ذات واحد میں جمع ہونا اسلام ہے۔

دین اور بدن کی اصلاح تین چیزوں پر منحصر ہے: اکتفا، اتقاء اور رزقِ حلال۔

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے فائدہ امور کو چھوڑ دے۔

بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، واقف و ناواقف، ہر ایک کو سلام کہنا بہترین اسلام ہے۔

جو شخص بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے اور ننگے کو کپڑا پہناتا ہے حق تعالیٰ اس کے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے۔ وہ دوزخ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کو بہشت عطا ہوتی ہے۔ اوصافِ محمودہ کے پیدا ہونے سے اوصافِ ذمیمہ خود بخود دور ہو جاتے ہیں۔ پس جہل کی فنا علم حق کو اور غفلت و نافرمانی کی فنا اطاعت و فرمان برداری کو مستلزم ہے۔ اسی طرح جب بندہ عشق الٰہی میں فنا ہو کر بقا پاتا ہے تو وہ ماسویٰ اللہ بلکہ خود اپنی ذات سے بھی فانی ہو جاتا ہے۔ یہی فنا و بقا ہے۔ یعنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ۔

اللہ ایسا ہے جس نے (اس تمام نور کے لیے) اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا سامان یعنی قرآن اور سچا دین یعنی اسلام دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کر دے۔

کمالیت پر پہنچنے کے بعد وہ اس حدیث شریف کے مصداق ہو جاتے ہیں جس میں حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے کہ میں اپنے بندے کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے، اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ غرض یہ کہ وہ اپنی ہستی سے فانی اور ذات حق تعالیٰ میں باقی ہوتا ہے۔

کون سی چیز ہے جو کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ اس کے احکامات بجالانے میں کمی نہ کرے، پھر جو چاہے گا مل جائے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ایمان کی حقیقت

ایمان کی حقیقت ان چھ اصولوں پر مبنی ہے:

(۱) حضرت صمدیت عز و شانہ کی معرفت۔

(۲) فرشتوں کا وجود اور ان کی اقسام اور ان کے مقام و مقامات کی معرفت۔

(۳) کتب ہائے منزلہ کی واقفیت

(۴) انبیاء کرام اور رسلِ عظام کی معرفت۔

(۵) حشر و نشر کی معرفت۔

(۶) نیکی یا بدی جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ کی مشیت و ارادہ سے ہے۔ اس دنیا کے پردے میں جو کچھ عذاب و تکلیف، رنج و غم، قحط و خوف، خواری و گرفتاری اور مصائب نمودار ہوتے ہیں، یہ سب حق تعالیٰ سبحانہ کے عدل کے شاہد ہیں کیونکہ جس قدر تنگی آتی ہے، بندے کے نفس کی طرف سے کمائی ہوتی ہے اور یہ سب اعمال کے نتیجے میں ہے اور جو کچھ آرام و خوشی، کامیابی و فراخی، فراغت و امن اور سعادت پیش آتے ہیں، یہ سب اس کے انعامات ہیں اور اس کے فضل اور عنایت کا نتیجہ ہیں۔ کوئی بھی امر اس کے ارادے اور حکم سے باہر نہیں، اس کی قضا کا موڑنے والا اور اس کے حکم کا توڑنے والا کوئی نہیں۔

ایمان کا ایک اصل ہے اور ایک فرع ہے۔ ایمان کا اصل تو دل سے تصدیق کرنا ہے اور اس کی فرع حکمِ الٰہی کی تعمیل ہے۔

ایمان قول و تصدیق اور عمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ قول بغیر تصدیق بے معنی اور تصدیق بغیر عمل کے ناممکن ہے۔

ایمان و معرفت کی منتہا عشق و محبت ہے اور محبت کی علامت بندگی ہے۔ جبکہ دل محبت اور مشاہدہ کا محل ہے اور آنکھ رویت کا محل ہے اور جان عبرت کا محل ہے تو جسم کو چاہیے کہ کسی بھی امرِ الٰہی کا تارک نہ ہو۔

اور جو شخص امرِ الٰہی کا تارک ہو اس کو امرِ الٰہی کی کچھ خبر نہیں ہوتی اس لیے قول و تصدیق اور عمل کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

ایمان حقیقت میں حق تعالیٰ کا وہ نور ہے جو اس کی ہی عنایات سے طلوع ہوتا ہوا اخلاص والے دلوں پر چمکتا ہے اور ان کو منور کر دیتا ہے۔

ایمان ملکوتی اسرار کا وہ بادلِ رحمت ہے جو ہدایت کے خزانوں سے معمور ہے، صدق کے باوفا مخلصوں کے دل کے گلزاروں پر قطرہ قطرہ ہو کر برستا ہے اور لطف و رحمت کی بوندیں برساتا ہے۔

ایمان فی الحقیقت معرفتِ الٰہی ہے۔

اقرار عمل کا قبول کرنا ہے۔

جو شخص حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات مقدس کو پہچانتا ہے وہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ سے ہی پہچانتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے خاص الخاص اوصاف تین قسم کے ہیں۔اول وہ جو اس کے جمال سے تعلق رکھتے ہیں۔دوم کمال سے۔سوم جلال سے۔

پس جس پر جمال الٰہی غالب ہو وہ ہمیشہ دید و مشاہدہ کا مشتاق رہتا ہے۔

جس پر جلالِ الٰہی غالب ہو وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے نفرت کرتا ہے اور اس کا دل ہمیشہ خوف اور ہیبت کے محل میں ہوتا ہے۔

جو شخص اس کے کمال سے تعلق رکھتا ہے اس کے لیے اس کے کمال تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کے کمال کو تو ثابت کرے اور نقص کی اس سے نفی کرے۔

شوق محبت کی تاثیر ہے اور نفرت بشریت کے اوصاف میں سے ہے۔بشریت کے حجاب کا کھلنا محبت کے سوا اور کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

ایمان ولایت کے انوار کی ایک ایسی چمکتی برق ہے جو وادی ایمن سے چمک کر عالمِ یقین کے سالکوں کے دلی آئینہ پر کوندتی جاتی ہے اور موسوی مشرب بنا کر ایسا محو کر دیتی ہے کہ عیال واطفال اور مال ومتاع کا بکھیڑا صفحہ خاطر سے محو ہی ہو جاتا ہے۔

ایمان اسرار الٰہی کا وہ مظہر ہے جس کو عالم علوی کے نقاش نے بمصداق اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ (المجادلۃ:22) مدرسۃ التقویٰ کے طلباء کے افہام کی تختیوں پر الہام کی قلم سے سنہری حروف میں لکھ دیا۔

ایمان دریائے وحدت کا وہ گوہر نایاب ہے جو توفیق الٰہی کی لہروں کی مدد سے سینہ کی سمندری گہرائی سے نکل کر اعمالِ صالحہ کی صورت میں متشکل ہو کر اعضاء اور جوارح کے ساحل پر نمودار ہوتا ہے۔

ایمان آتش محبت کی ایسی شرر ہے کہ جس کی چمک بادیہ ریاضت کے جلے بھنے وجودوں کے درختوں سے اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ ہو کر چمکتی ہے۔

اسرار الٰہی اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جو وہم کی شیطانی آنکھ کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے تیر سے چھید چکا ہو۔

جو محمد رسول اللہ کی معرفت کے انوار سے اوصاف بشریت کا خاتمہ کر چکا ہو۔

جو حسد اور طمع کے خاشاک کو شوق کی چنگاری دکھا چکا ہو۔

جو دنیاوی عقول کی زبان کو اعراض کی قینچی سے قطع کر چکا ہو۔

جو نفس بدکار اور شوم اور شوخ کو غیرت الٰہی کے میدان میں ریاضت اور عبادت سے پامال کر چکا ہو۔

جو خواہشات نفسانی کے شر کو مشقت اور تکلیف کی سولی پر چڑھا چکا ہو۔

جو شہوات کے لشکر کا سر محبت اور الفت کی تلوار سے کاٹ کر شکست دے چکا ہو۔

جو روح کے گلزار کو معارف اور حقائق کے پھولوں سے مزین کر چکا ہو۔

جو دل کے شیشے کا غبار اور زنگ راستی، صدق اور یکسوئی کی سان پر چڑھا کر مٹا چکا ہو۔

جو نفس کی شومی اور طبیعت کی خست سے آزاد ہو چکا ہو اور اس کی وجودی شبنم احدیت و وحدانیت کے دریا میں مل چکی ہو۔

جو نبوت و رسالت کے انوار کی تجلیات میں مدغم ہو چکا ہو۔

جو جسمانی تعلقات اور نفسانی خواہشات کی آلودگیوں سے اپنا دامن دھو چکا ہو۔

جو اپنے حال سے فانی ہو اور مشاہدہ حق میں باقی ہو اور اس کو غیر کی مطلق خبر نہ ہو۔ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت کرنا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو۔

قیامت کے دن پہلے ایک مقام پر ایمان کے بارے میں اس کی شرائط وصفات اور شناختِ حق تعالیٰ سے اگر بال بھر بھی بیان نہ کر سکے گا تو وہیں سے سیدھا دوزخ کو بھیج دیا جائے گا۔

ایمان کی صحت کا نشان یہ ہے کہ جب تم اپنے مسلمان بھائی کو رنج و تکلیف میں مبتلا دیکھو تو اس مصیبت اور تکلیف کو اپنے وجود میں مشاہدہ کرو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو رحم اور محبت سے دیکھا کرو۔

حق تعالیٰ سبحانہ اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت جس قدر بندے کے دل میں زیادہ ہوگی، اتنی ہی اس کے ایمان کی صحت پر دلالت کرے گی۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی کامل محبت کا نشان یہ ہے کہ اس کے بندے کو اس کے محبوب ﷺ انتہائی پیارے ہوں۔

جب کوئی مسلمان تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ چیز مسلمان کی صحت کی دلیل ہے۔

مومن اپنے اہل وعیال کو حق تعالیٰ پر چھوڑتا ہے اور منافق اپنے درہم و دینار پر۔

ایمان اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں تقویٰ کا ہونا لازمی ہے۔

ایمان کے دو نصف ہیں، نصف صبر اور نصف شکر۔ جس طرح سر جسم سے ملا ہوا ہے اسی طرح صبر ایمان سے ملا ہوا ہے۔

ایمان کی علامت سادگی وسادہ لوحی ہے۔

ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جب بندہ اپنے اخلاق وعادات کو سنوار لے۔

ایمان، حسد اور بُخل ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

مومن کامل وہی شخص ہے جس کا اخلاق مکمل ہے۔

مومن بھائی کو حقیر سمجھنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مومن بھائی کو بغیر سبب کے تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے۔

حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ تو کسی مومن بھائی کا دل خوش کر دے۔

ایمان کے بعد افضل ترین نیکی خلق کو آرام پہنچانا ہے اور شرک کے بعد بدترین گناہ ایذا رسانیِ خلق ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ کوئی مسلمان تیرے ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ اٹھائے۔

جب تک سطح زمین پر ایک شخص بھی ایسا ہے جس کا تیرے دل میں خوف ہو یا اس سے کسی قسم کی توقع ہو، اس وقت تک تیرا ایمان کامل نہیں ہوا۔

مومن کے لیے دنیا ریاضت کا گھر اور آخرت راحت کا مقام ہے۔

❁❁❁❁❁

ایمان کے بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات گوہر بار

اس وقت تک کسی بھی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں اس کی تمام محبوب ترین اشیاء کے مقابلے میں میری محبت بدرجہ اتم نہ ہو۔

مومن کا چہرہ بشاش ہوتا ہے اور دل غمگین۔ مومن کی زبان دل سے پیچھے رہتی ہے۔ یعنی جب بولنا چاہتا ہے تو دل میں سوچ لیتا ہے تب زبان سے نکالتا ہے۔

نیک خو اور خوش خلق صائم النھار اور قائم اللیل کا درجہ پاتا ہے۔

ایمان دار کا غصہ جلد اتر تا ہے اور راضی بھی جلد ہو جاتا ہے۔

مومن کو ایذا پہنچانا حق تعالیٰ کے نزدیک کعبہ اور بیت المعمور گرانے سے پندرہ گنا بڑا گناہ ہے۔

کوئی آدمی مسلمان نہیں ہوتا جب تک صدق دل سے یہ نہ مان لے کہ اپنے واسطے جو چاہتا ہوں وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے چاہوں گا۔

کسی بھائی کی حاجت برداری کرنے والا ایسا ہے کہ گویا تمام عمر حق تعالیٰ کی خدمت میں گزاری۔

جس مسلمان کو مسلمان کا غم نہ ہو وہ میری امت میں سے نہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت

شریعت یہ ہے کہ قرآن وسنت کے احکامات کی صدق دل سے بجا آوری یعنی احکام الٰہی اور ارشادات نبوی ﷺ سے ذرہ بھر بھی ادھر ادھر نہ ہونا، صدق دل سے اطاعت کرنا اور خلوص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔

شریعت دنیا و آخرت کی سعادتوں کی ضامن ہے۔

راہ سلوک (یعنی راہ حق) پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ شریعت میں ثابت قدم رہنا اور شریعت کے تمام فرمان بجا لانا اور ان کے بجالانے میں ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرنا۔ اکثر صوفیا دوسرے مرتبے کو پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں۔

طریقت یہ ہے کہ نفی واثبات پر قائم ہو یعنی اپنے حال سے فانی ہو اور ذات حق میں باقی ہو اس کے بعد جب بمع شرائط طریقت میں ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور تمام احکام شریعت واصول طریقت صدق سے بجالاتے ہیں تو معرفت کو پہنچ جاتے ہیں۔

معرفت، عرفانِ الٰہی کا حاصل ہو جانا ہے یعنی شناخت وشناسائی کا مقام آجاتا ہے۔ جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جائے تو حقیقت کو پالیتے ہیں۔

راہ سلوک طے کرنے کی خواجگان چشت اہل بہشت کے خاندان نے پندرہ (۱۵) منزلیں مقرر فرمائی ہیں۔ جب تک سالک پندرہ منزلیں ثابت قدمی کے ساتھ طے نہ کرے، منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔ اس راہ میں مکمل ضبط و بردباری اور مصمم عزم کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو مخلوق سے پوشیدہ رکھے اور ہر لمحہ عجز وانکساری اور خوف وامید میں رہے تو کامل ہوگا اور منزل مقصود کو پہنچ جائے گا۔

❁❁❁❁❁

توحید الٰہی

اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ جو سب طرح سے پاک اور بے نیاز ہے وہ ہستی بے قید ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ ذات غیر محدود، واحد مطلق ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود نہیں جو اس پر غالب آئے یا اس پر حد لگائے۔ وہ بے مثل ہے، لازوال ہے، اور لفظ **حَیُّ الْقَیُّوْم** اسی کے لیے زیبا ہے۔ وہ زندہ رہے گا اور انتقال نہیں کرے گا۔ اگر مخلوق کا وجود قائم بالذات تصور کر لیا جائے تو مخلوق کی خلقت کے بعد اس کی صفت میں فرق ہو جائے گا یعنی وہ بے حد نہ رہے گا اور مخلوق کے لیے قید ہو جائے گی۔ (العیاذ باللہ)

لہٰذا خالق کے لیے جہت کا ہونا محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مخلوق کا وجود اصلی حقیقی نہیں اور نہ ہی مخلوق قائم بالذات خود ہے بلکہ فانی اور عارضی ہے۔ بلکہ یہ تمام اس جل جلالہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہے اور وہی قادر مطلق ہے۔ ہر برگ و شجر، بحر و حجر، شمس و قمر، شام و سحر، اس کی توحید کی نشانیاں ہیں اور اس کی بارگاہ احدیت میں ثناء خوان اور رطب اللسان ہیں۔ اس کے وجود کے لیے نہ شکل ہے، نہ حد، اور نہ ہی احاطہ ہے اور باوجود اس کے حد اور شکل میں ظاہر ہوا اور تجلی کی ہے جس سے اس کی بے شکلی اور بے حدی میں کچھ بھی فرق نہیں آیا ہے بلکہ وہ ایسا ہی ہے جیسا تھا اور ایسا ہی رہے گا۔

توحید الٰہی کے میدان میں بندے کا پہلا قدم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوصاف حقیقیہ میں منفرد نہیں بلکہ یکتائے محض سمجھنا ہے۔ اس لیے کہ تفرید کسی کے خرابیوں سے جدا ہونے پر حکم لگانا ہے اور توحید کسی کی وحدانیت پر حکم لگانا ہے۔ پس تفرید میں غیر کا ثابت کرنا روا ہوتا ہے۔ واحدانیت میں غیر کا ثابت کرنا روا نہیں اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس صفت سے موصوف نہ کرنا چاہیے۔ پس تفرید کا لفظ مشترک ہے اور ممکن اور واجب تعالیٰ دونوں پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ مگر توحید شرکت کی نفی کرتی ہے۔ اس لیے توحید میں پہلا قدم شرکت کی نفی کرنا اور راستے سے غیر کی موجودگی کو رفع کرنا ہے کیونکہ طریق حق میں غیر کی موجودگی کے ساتھ راستے کو چراغ سے تلاش کرنا ہے۔

توحید کے مظاہر خود تیرے وجود کے ہر ذرے سے ثابت ہیں لیکن تو اس کا تقاضا پورا نہیں کرتا۔

توحید یہ ہے کہ حق کے سوا تیرے دل میں کسی چیز کا گزر نہ ہو اور تو اپنے نفس اور طبیعت سے منہ موڑ لے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''اور تمھارا معبود برحق واحد ہے۔''

دراصل توحید کی حقیقت کسی چیز کے ایک ہونے کو صحیح طرح جاننا ہے اور چونکہ اللہ تعالی ایک ہے اور اس کا ذات و صفات میں کوئی ثانی نہیں اور نہ افعال میں کوئی مثل و شریک ہے اور اہل توحید نے اس کو اسی صفت کے ساتھ جانا ہے اور عقل نے ان کو حق تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کی دعوت دی ہے۔

توحید تین قسم کی ہوتی ہے:

اول :اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو واحد جاننا اور وہ اس کا اپنی یکتائی کو جاننا ہے۔

دوم :حق تعالیٰ کی توحید ہے خلقت کے لیے اور وہ حق تعالیٰ کا بندے کو اپنی توحید کا حکم دینا اور اس کے دل میں توحید کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔

سوم :خلق کی توحید حق تعالیٰ کے لیے اور وہ ان کا حق تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کو جاننا ہے۔

بندہ عارف حق تعالیٰ کی وحدانیت کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا۔یعنی نہ کوئی چیز اس میں پیوست ہو سکتی ہے نہ اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔دوئی اس میں روا نہیں۔اس کی وحدانیت عددی نہیں کہ دوسرے عدد کے ثابت ہونے سے دو چار ہو جائیں اور وہ ان دونوں عددوں میں سے عدد واحد ہو جس سے اس کی واحدانیت عددی ہو۔

اس کا مکان نہیں اور نہ وہ مکان کے اندر ہے تاکہ مکان ثابت کرنے کی حاجت ہو اس لیے کہ اگر وہ مکان کے اندر جاگزین ہوتا تو مکان کے لیے بھی مکان ہونا لازم آتا پھر فعل و فاعل اور قدیم وحادث کا حکم باطل ہو جاتا۔

وہ عرض بھی نہیں کہ وہ جوہر کا محتاج ہو اور پھر اس کے اندر حال ہو اور اپنے محل میں باقی رہے۔

وہ جوہر بھی نہیں ہے کہ اس کا وجود اپنے جیسے جواہر کے سوا صحیح نہ ہو۔وہ طبعی بھی نہیں ہے کہ حرکت اور سکون کا مبدا ہو۔

وہ نفس بھی نہیں ہے کہ فنا کا محتاج ہو،جسم بھی نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو کسی چیز میں حال نہیں تاکہ چیزوں کی جنس میں سے ہو اور کسی چیز کے ساتھ اس کا پیوند نہیں تاکہ وہ چیز اس کا ایک جز و ہو بلکہ تمام نقائص سے وہ بری ہے۔

اور تمام ترخرابیوں سے پاک اور سب عیوب سے برتر ہے۔اس کا کوئی مانند نہیں تاکہ وہ اپنے مانند کے ساتھ دو ہو۔نہ اس کا کوئی فرزند ہے تاکہ اس کی نسل اس کے اصل کا اکتفا کرے۔

اس کی ذات وصفات پر تغیر روا نہیں کہ اس کا وجود اس تغیر کی وجہ سے متغیر ہو جائے یا متغیر کے حکم میں ہو جائے۔وہ ان کامل صفات سے موصوف ہے کہ مومن اور موحد لوگ اس کے لیے نور عقل سے ثابت کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ان سے موصوف کیا ہے۔وہ حَــیٌّ (ہمیشہ زندہ)، وہ عَــلِیْــمٌ (سب کچھ جاننے والا)،رَءُ وْفُ (نہایت مہربان)، رَحِیْمٌ (نہایت رحم کرنے والا)اور مُرِیْدُ (ارادہ کرنے والا)، قَدِیْرُ (ہر چیز پر قادر)،سَمِیْعُ (سب کچھ سننے والا)،بَصِیْرُ (ہر چیز دیکھنے والا)،مُتَکَلِّمٌ (کلام کرنے والا)اور باقی ہے۔اس کا علم اس کے اندر حال نہیں۔اس کی سمع وبصر اس کے اندر نو پیدا نہیں۔اس کے کلام میں تبعیض اور تجدید نہیں (یعنی نہ اس کے اجزا ہو سکتے ہیں اور نہ وہ نئی ہے)۔وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔تمام معاملات اس کے علم سے باہر نہیں اور موجودات کو اس کے ارادہ سے گریز نہیں۔جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے اسے وہ ازل سے جانتا ہے اور مخلوق اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتی۔

اس کا سب حکم حق ہے۔اس کے دوستوں کو سوائے تسلیم کر لینے کے اور کوئی صورت نہیں۔اس کا حکم قطعی ہے جس کے بجالانے کے سوا طالبانِ حق کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں۔خیر وشر کا اندازہ کرنے والا سوائے اس کے کوئی نہیں۔اس کی ذات کے سوا کسی سے امید رکھنا یا خوف کرنا جائز نہیں۔نفع وضرر کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور حکم سوائے اس کے کسی کو

حاصل نہیں۔ اس کا سب حکم حکمت ہے اور اس کی قضا کے بغیر نہیں۔ کسی کو اس کے اصل کی خوشبو تک نہیں پہنچی اور نہ اس تک پہنچنا ممکن ہے۔ اس کا دیدار جنتیوں کے لیے جائز ہے۔ اس کے لیے تشبیہہ اور جہت نہیں۔ مقابلہ اور مواجہہ اس کی ہستی پر ممکن نہیں۔ دنیا میں اولیاء اللہ کے لیے اس کا مشاہدہ جائز ہے اور انکار کرنا لازم نہیں۔ جو اس کو ان اوصاف سے متصف جانے وہ دین سے علیحدہ نہیں اور جو اسکے خلاف جانتا ہے اس کا دین نہیں۔

توحید قدیم کو حوادث سے علیحدہ اور ممیّز کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ تو قدیم کو حوادث کا محل نہ جانے اور نہ حوادث کو قدیم کا محل سمجھے اور یہ جان لے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور تو حادث ہے۔ تیری جنس سے کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتی۔ یہ جان کہ اس کی صفات میں سے کوئی چیز تیرے اندر نہیں مل سکتی۔ قدیم حادث کا ہم جنس نہیں ہوتا کیونکہ قدیم حوادث کے موجود ہونے سے پہلے تھا۔ جب حوادث کے وجود سے پہلے قدیم حادث کا محتاج نہیں ہوتا تھا تو حوادث کے وجود کے بعد بھی ان کا محتاج نہیں ہوگا۔

جب کوئی شخص قدیم کو حادث میں اترنے والا، حلول کرنے والا کہے یا حادث کو قدیم کے ساتھ متعلق جانے تو پھر حق تعالیٰ کے قدیم ہونے اور عالم کے حادث ہونے پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی۔

اشیائے حادثہ کی سب حرکات توحید کی دلیلیں ہیں اور حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے قدم کے ثابت کرنے پر گواہ ہیں لیکن انسان ان سے غافل ہے، جو اپنے دل میں اس کے غیر کو چاہتا ہے یا اس کے ذکر کے سوا غیر کے ذکر سے آرام پاتا ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

اصولِ توحید

☆ اصول توحید پانچ چیزیں ہیں:

اول : حدوث کا اٹھا دینا۔

رفع حادث سے مراد توحید الٰہی کے سوا سب حادث چیزوں کے پیوست ہونے کی نفی کرنا اور اس کی ذات مقدس پر حوادث کے وقوع کو محال سمجھنا ہے۔

دوم :نفی کرنا۔

بشریت کے اوصاف وخواہشات کو محو کرنے کو نفی کہتے ہیں۔

سوم :اللہ کے قدیم ہونے کو ثابت کرنا۔

قدیم کے اثبات سے مراد حق تعالیٰ کے ہمیشہ ہونے کا اعتقاد کرنا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

چہارم :وطنوں کو چھوڑ دینا۔

اوطان کے چھوڑنے سے مراد نفس کے مرغوبات اور دل کی آرام کی جگہوں اور طبیعت کے قرار پکڑنے کی چیزوں کو چھوڑ دینا ہے اور طلبِ حق میں دنیا کی رسوم چھوڑ دینا ہے۔

پنجم :بھائیوں سے جدائی اور معلوم اور نامعلوم کو فراموش کرنا۔

بھائیوں سے مفارقت سے مراد مخلوق کی صحبت سے رُوگردانی اور حق کی صحبت کی طرف توجہ کرنا ہے۔ کیونکہ غیر کے اندیشہ سے جو کچھ موحد کے دل پر گزرتا ہے وہ ایک حجاب اور آفت ہوتی ہے اور جس قدر دل کو غیر کے ساتھ صحبت ہوتی ہے، اتنا ہی وہ توحید میں حجاب کے اندر ہوتا ہے۔اس لیے کہ سب لوگوں کے اتفاق سے توحید اپنے ارادوں کو حق تعالیٰ پر جمع کرنا ہے۔غیر کے ساتھ آرام پانا ہمت کے متفرق ہونے کا نشان ہے۔

توحید میں اس چیز کی فراموشی سے جس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے مراد یہ ہے کہ مخلوق کا علم یا تو ماہیت یا کیفیت یا جنس یا طبیعت کے متعلق ہوتا ہے، اس مخلوق کا علم حق تعالیٰ کی توحید میں جو کچھ ثابت کرتا ہے، توحید اس کی نفی کرتی ہے اور جس چیز کو ان کی جہالت ثابت کرتی ہے وہ ان کے برخلاف ہوتا ہے۔اس لیے کہ جہالت توحید نہیں ہے اور توحید کا تحقیقی علم تصرفِ غیر کی نفی کیے بغیر درست نہیں ہوتا اور مخلوق کے علم اور جہل میں سوائے تصرف کے اور کچھ نہیں کیونکہ ایک علم تو بصیرت پر تصرف کرنے سے ہوتا ہے اور دوسرا جہالت اور غفلت پر تصرف کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔توحید یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے سامنے ایک جسم ہو کر رہ جائے جو اپنے اختیار اور ارادے سے بالکل خالی ہو۔جس پر حق تعالیٰ کی توحید کے ناپیدا کنار سمندر میں اور اس کی قدرت کے احکام کے اجرا کے وقت اسی کی تدبیر کے تصرفات کارفرما ہوں۔ بندہ حق

تعالیٰ کے حقیقی قرب اور توحید کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے باعث اپنے نفس اور مخلوق کی دعوت کے رد و قبول سے قطعاً بے خبر ہو اور پھر مقام فنا فی اللہ کے حصول کے بعد اس کا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے۔ بندہ اس مقام کی طرف لوٹ آئے جہاں اس کا آخر اس کے اول سے ہمکنار ہو۔ وہ ایسا ہو جائے جیسا دنیا میں موجود ہونے سے پہلے تھا۔ موحد کو حق تعالیٰ کے اختیار میں اپنا کوئی اختیار نہ رہے اور حق تعالیٰ کی وحدانیت میں اپنی ذات کی طرف نگاہ نہ ہو۔

جبکہ قربِ حق کے محل میں بندے کا نفس فنا ہو جائے گا اور اس کی حس و حرکت جاتی رہے گی تو حق تعالیٰ جیسا چاہے گا، اس کے احکام اس پر جاری رہیں گے۔ یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ وہ ازل میں عہدِ توحید کے وقت ایک ذرہ تھا۔ گویا کہنے والا بھی حق تعالیٰ تھا اور جواب دینے والا بھی حق تعالیٰ بظاہر نشانہ وہ ذرہ تھا۔

بندہ جب ایسا ہو جائے جیسا کہ عہد توحید کے وقت ایک ذرہ تھا تو اس وقت مخلوق کو اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا کہ اسے وہ کسی چیز کی طرف دعوت دیں اور اسے بھی کسی کے ساتھ انس اور محبت نہیں ہوتی کہ ان کی دعوت قبول کرے۔

بشری صفت کے فنا ہونے اور غلبہ و کشف جلال حق کی حالت تسلیم و رضا توحید ہے۔ حق تعالیٰ جب بندہ کو اس کے اپنے اوصاف سے فانی کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ محض ایک آلہ اور ایک ایسا جوہر لطیف ہو کر رہ جاتا ہے کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ لگائیں تو بلا تمیز پار ہو جائے اور اگر پیٹ پر لگائیں تو بے رکاوٹ گزر جائے۔

مختصر یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف سے فانی ہو جائے اور اس کا جسم اسرار الٰہی کے مظاہر میں سے ہو جائے یہاں تک کہ اس کی گویائی کا تعلق بھی اسی سے ہو اور فقط حجت کے ثابت کرنے کے لیے شریعت کا حکم باقی رہے۔

توحید یہ ہے کہ بندہ توحید الٰہی میں فنا ہو جائے کیونکہ حق تعالیٰ کے سوا جو بھی موجود ہے، وہ سب باطل ہے۔ جب یہ بات درست ہو گئی کہ جو چیز حق تعالیٰ کے سوا ہے سب باطل ہے اور خود طالب بھی حق تعالیٰ کے سوا ہے تو اس کی صفت بھی جمال حق تعالیٰ کے مشاہدے میں باطل ہو گئی اور لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی یہی تفسیر ہے۔

یہ یاد رکھو کہ انسان کی زندگی میں بنیادی شے توحید ہے کیونکہ حق تعالیٰ دوسرے گناہوں کے باوصف صرف توحید کی برکت سے ایک عاصی کو معاف فرماتا ہے۔ پس ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو یگانہ اور بے مثل جانے۔ اس کے افعال و احکام میں اس کا کوئی شریک نہ بنائے اور ہر اس فعل و حرکت سے اجتناب کرے جو توحیدِ محض کے منافی ہو۔

❋ ❋ ❋ ❋ ❋

کلمہ شہادت

کلمہ شہادت یہ ہے کہ راسخ عقیدہ اور یقین محکم کے ساتھ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پروردگار عالم یگانہ ہے۔ اس کا حصے دار اور شریک اور کوئی نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے بھیجے ہوئے سچے اور برگزیدہ رسول ہیں اور آپ ﷺ افضل الانبیاء، سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی بھی پیغمبر، نبی یا مرسل قیامت تک نہیں آئے گا اور روز محشر میں بھی آپ ﷺ ہی کی ذاتِ اطہر شافع محشر ہو گی۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی معرفت کلمہ شہادت و کلمہ طیبہ میں ہے اور وہ اِقْرَار بِاللِّسان وَ تصدیق بِالْقَلب اور نفی اثبات سے حاصل ہوتی ہے۔

نفی اپنے آپ کو نہ دیکھنا اور اثبات صرف حق تعالیٰ ہی کو دیکھنا ہے کیونکہ خود بین خدا بین نہیں ہو سکتا۔ پس نفی کرنے والا ہونا چاہیے اور صرف یہ خیال کرے کہ ہستی صرف حق تعالیٰ کی ہستی ہے تو شہادت مکمل ہوتی ہے۔

یاد رکھو جس نے جاہ و مال کی محبت کو دل سے نکال دیا اور اپنی آرزوؤں، خواہشوں، اور ارادوں کو ختم کر دیا اور دنیا کو ترک کر دیا اور فقط حق تعالیٰ پر نظر رکھی، اس نے گویا پوری نفی کر دی اور جس کا مطمعِ نظر اور مقصود و مطلوب حق تعالیٰ ہو اور اس کی معرفت حاصل کرنا ہو، اس نے پورا پورا اثبات کر لیا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا اور کسی شے کا وجود ہی نہیں جو کہ عبادت کے لائق ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ سراپا اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہیں۔

کلمہ طیبہ کو کلمہ توحید بھی کہتے ہیں اس کے لیے ضروری شرط راسخ العقائد ہونا ہے اور یقین محکم کے ساتھ اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی شے کا وجود ہی نہیں جس کی کہ پرستش کی جائے۔ موجودات میں جو کچھ بھی ہے اسی کا عکس و مظہر ہے اور حضور پرنور محمد رسول اللہ ﷺ سراپا اللہ تعالیٰ جل شانہ کی حمد ہیں یعنی تعریف ہی تعریف ہیں۔

چونکہ محمد ﷺ کے معنی اللہ تعالیٰ کی سراپا حمد ہے، اس لیے یہ معنی ہوئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی توحید و تعریف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے ہی نہیں تو غیر وجود کا کیا مقصد۔ اس لیے بندہ کے لیے اپنی نفی لازمی ہوگئی اور اثبات پر قائم رہنا ضروری ہوگیا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ بندہ اپنے حال سے فانی ہوجائے اور مشاہدہ حق میں باقی ہو تو معرفت حق حاصل ہوسکتی ہے اور اگر معرفت حق حاصل نہیں تو ایمان بے معنی ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ ایسا فرد ہے جس کی مثل ہی نہیں۔ ایسا حمد ہے کہ جس کا کوئی شریک ہی نہیں۔ ایسا قدیم ہے کہ اس قدامت کا اول ہی نہیں۔ ایسا قیوم ہے کہ اس کی قیومیت کا اخیر ہی نہیں۔ ایسا ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے میں جلوہ نما ہے۔ اس کی پوشاک رنگارنگ اور وجودِ کائنات اس کی حقیقت کا اظہار اور اس کا باطن ہے۔ یہ کائنات اس کے وجود سے مستثنیٰ نہیں ہے اور ایسا باطن ہے کہ اسرار مخفیہ میں پنہاں ہے۔ ایسا **حیّ** ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ایسا **عالم** ہے کہ تمام جہانوں کا علم اس کے علم کے دائرہ کا ایک نقطہ ہے۔ ایسا **قـــادر** ہے کہ تمام مخلوقات اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایسا **سمیع** ہے کہ ابھی مختلف بولیاں، جداگانہ خیالات اور آوازیں دل سے باہر نہیں نکلتیں کہ اس سمیع کے مسموع ہوجاتی ہیں۔ ایسا **بصیر** کہ اگر چیونٹی کی حرکت بھی تحت الثریٰ میں ہو تو اس بصیر کو نظر آجاتی ہے۔ ایسا **لطیف** ہے کہ اس کی ذات مقدس کا نہ جسم ہے نہ جوہر، نہ عرض ہے اور نہ کوئی صورت ہے۔ کیفیت اور کمیت، اور اطراف کنارہ اور چندی و چونی کو اس لطافت مقدسہ میں دخل بھی نہیں۔ وہ بے مثل ہے اس کی ذات پاک جگہ اور مکان سے بالکل مبرا و منزہ ہے۔ اس کے علم کے احاطے، ارادے اور قدرت سے کوئی بھی جگہ خالی نہیں اور اس بلندی اور رفعت اور عظمت کے بندہ کے باوجود قریب اتنا ہے جیسا کہ آنکھوں کو بینائی اور کانوں کو شنوائی اور زبان کو گویائی اور دل کو خیالات سے قرب ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ یہ قرب اس کی ذات مقدس کے اندازہ پر ہے۔ یہ وہ قرب نہیں جس کا ہمارے افہام مکدر اور

خیالات پست اندازہ لگا سکتے ہیں بلکہ اس کی ذات پاک لم یزل اور لایزال ہے۔ صفات کبریائی سے موصوف ہے اور عظمت وجلال کے اوصاف سے موصوف اور معروف ہے۔ آج ایسا ہی ہے جیسا کہ ازل میں تھا اور ابد تک ایسا ہی رہے گا۔ اگر اس کی مرضی اور ارادہ ہوتو عاجز سے عاجز بندے کو شناسا کر دیتا ہے اور اگر مرضی نہ ہوتو زمین اور آسمان بھی اس بوجھ کو اٹھانے سے عاجز ہی رہ جاتے ہیں اور اس دنیا کے پردہ پر جو کچھ حوادثات اور مصائب نمودار ہوتے ہیں اس ذات مقدس کے عدل کے شاہد ہیں اور جو امن اور سعادت در پیش آتے ہیں، یہ سب کے سب اس کی عنایت اور فضل کا نتیجہ ہے۔ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوتا ہے اور جو کچھ ہوگا ظاہر میں یا باطن میں یہ سب اسی کے مشیت اور ارادہ سے ہو رہے ہیں۔ کوئی بھی امر اس کے ارادہ وحکم سے باہر نہیں۔ اس کی قضا کا موڑنے والا اور اس کے حکم کا توڑنے والا کوئی نہیں۔

جس چیز کو غیر حق کہا جاتا ہے یا جس چیز کا جہاں نام رکھا جاتا ہے، اس کی نسبت حق کی طرف ایسی ہے جیسا ایک شخص کو اپنے سائے کے ساتھ ہوتی ہے پس وہ اللہ کا سایہ ومظہر ہے۔

عالم ایک وہمی چیز ہے اس کے لیے اصلی وجود نہیں ہے اور خیال کے یہی معنی ہیں کہ تم کو خیال ہو گیا ہے کہ عالم کوئی جدا چیز اپنی ذات میں قائم ہے اور حق تعالیٰ سے خارج ہے حال آنکہ اصل بات یہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات حق کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی دلیل کے لیے اگر سمندروں کے پانی کی دوات، درختوں کی قلمیں، زمین وآسمان کے قرطاس بنائے جائیں اور اس کی تمام مخلوق اس کی توحید لکھنے کے لیے بیٹھ جائے اور قیامت تک لکھتے رہیں تو یہ حقیقت ہے کہ اس کی ہزارواں حصہ تعریف بھی نہیں لکھی جا سکتی۔

دوات کی سیاہی سے اگر ایک لاکھ کتابیں لکھی جائیں، حرفوں کی شکل وصورت سب جدا جدا ہوں گے۔ ان سب کو یکساں کہنا حماقت ہے لیکن اس تفرقے سے سیاہی کی ذات میں کچھ خلل واقع نہیں ہوا۔ سیاہی پر کوئی الزام نہیں آیا۔ اس لیے مومن، کافر، نیک وبد، نباتات، جمادات، حیوانات، نفوس، عقول، سب یکساں نہیں ہیں، تمام اس صانع حقیقی کی جلوہ ریزی ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی شان منزہ اور نہایت ارفع ہے۔ اسی لیے رسول مقبول ﷺ کی ذاتِ اطہر نے سات آسمانوں اور زمین اور ان کے فاصلے کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اگر تم رسی کے ساتھ ڈول باندھ کر سب سے نچلی زمین کی طرف گراؤ تو وہ ضرور اللہ پر اترے گا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی، ''وہی اول ہے وہی آخر ہے اور وہی ظاہر اور باطن ہے اور وہ ہر ایک چیز کو جاننے والا ہے۔''

آیات کریمہ اور احادیث پاک سے یہ ثابت ہے کہ حقیقی وجود اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور مخلوق کا وجود محض اعتباری ہے یا عکسی وظلی ہے۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝۔ (سورۃ البقرہ:210)

اور سب امر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط۔ (سورۃ الحدید:4)

اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔۔۔۔۔ (سورۃ البقرہ:115)

جدھر بھی رخ پھیرو اللہ کی ذات ہے۔

حق تعالیٰ کا وجود اپنی کنـــــہ کے لحاظ سے کسی پر ظاہر نہیں ہوا ہے۔ اس کو عقل اور وہم اور حواس نہیں پا سکتے ہیں اور نہ قیاس ہی میں آ سکتا ہے کیونکہ یہ سب حادث ہیں اور حادث صرف حادث ہی کو معلوم کر سکتا ہے۔ اس کی ذات وصفات اس بات سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔ جو شخص اس وجہ سے اس کی معرفت کا ارادہ کرے گا اور اس میں کوشش کرے گا تو وہ ضرور اپنے وقت کو ضائع کرے گا۔

قدیم وہ ذات ہے کہ جس میں ابتداء اور انتہا کی قید نہیں۔ حادث وہ چیز ہے جس کی ابتداء اور انتہاء کا علم شرط ہے۔ جب حادث نہ تھا، قدیم بالذات خود موجود تھا اور جس زمانے میں حادث نہ ہوگا، قدیم موجود ہوگا۔ لہٰذا حادث اپنے سے قبل اور بعد کے حالات سے ناآشنا ہے تو وہ قدیم کی ماہیت سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔

حادث اپنی معلومات کے لیے حواس کا محتاج ہے اور ماہیت ذاتِ حق حواس و عقل سے بلندتر ہے۔ جبکہ حادث مخلوق کی ماہیت سے ناواقف ہے تو پھر خالق کی حقیقت اور ماہیت کو کیسے پا سکتا ہے اور اگر کچھ حادث نے معلوم بھی کیا تو وہ صرف حادث ہی کو معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

ذاتِ حق کو نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ نگاہوں کو دیکھتا ہے اور وہ باریک بین باخبر ہے۔

حق تعالیٰ کی نسبت لفظ ہست کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر ہست کہ ہست۔ دنیا کا ہر فرد بشر اور کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء کی شناخت کا متمیز نشان ہیں۔ مثلاً حیوانات، پرندے، درندے اور چرندے اپنی زبان سے بتلا رہے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا ظہور ہیں جن کے ذریعہ سے ذاتِ حق کا ظہور پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ ذاتِ حق ان حقائق کا منبع ہے اور اس کا علم حقائق کا مرکز، اس کی کتاب ام الکتاب ہے اور لوحِ محفوظ انھی حقائق کی کتاب مبین ہے۔ کرسی میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ قلم بھی بالاجمال ہر ایک چیز کو محیط ہے۔ یہی حال فرش کا ہے۔ عرش قلم کا مظہر ہے۔ کرسی لوحِ محفوظ کا مظہر ہے۔ قلم ذاتِ حق کا مظہر ہے۔ وہی سب کچھ لوح محفوظ اور کرسی میں مفصل ہے۔ یہ انسان سب کا جامع نسخہ ہے۔ بہتر ذات خود ام الکتاب اور ذات اللہ پاک ظاہر وعین ہے اور باعتبار علم خود ذاتِ حق کا علم ہے۔ روح کے اعتبار سے قلم اور باعتبار نفس کرسی ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔

جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ سراپا اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہیں۔ حمد اس ثنا کو کہتے ہیں جو نعمتوں کے عطیے کے سبب زبان سے ادا کی جائے۔

یہ امر ذہن نشین ہونا چاہیے کہ ہر اسم الٰہی کی صورت اسم الٰہی میں کما حقہ، موجود ہے۔ جسے ماہیت اور عین ثابت کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حقیقت محمدی ﷺ کل موجودات میں ظاہر ہے اور یہ حقیقت رب الارباب سے وابستہ اور ہمرشتہ و پیوستہ ہے جو تمام عالم کو پرورش کر رہی ہے۔ ظاہر کو ظاہری طور پر اور باطن کو باطنی طور پر پرورش کر رہی ہے۔

یہ شان ربوبیت اس حقیقت کی جانب سے ہے، بشریت کی جانب سے نہیں۔ بلکہ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں اور بشریت کے لحاظ سے خود عبد اور مربوب ہیں اور اپنے رب کے محتاج ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ علم ربوبیت اور حق ربوبیت یہ دونوں بحث طلب ہیں۔ علم ربوبیت تو قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے کہ
۔۔۔۔وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًاo (سورۃ بنی اسرائیل:85)
ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا۔
یعنی صرف ہم اللہ تعالیٰ کو پہچان سکیں۔ مگر حقِ ربوبیت اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جبکہ ہر حق دار بندہ اپنی پوری طاقت سے اس کا حق بھی ادا کرے۔

حق تعالیٰ کے کل اسماء اسی حقیقت محمدیہ ﷺ کے جلوے ہیں اور انھی اسمائے حسنیٰ کے لحاظ سے حقیقت تمام عالم میں ہر ایک چیز کی استعداد کے مطابق کامل طور پر تصرف کرتی ہے اور یہی حقیقت ہر دو جہت یعنی الہٰیت اور عبودیت کو شامل ہے۔ لہٰذا پورے جہان کی پرورش کا حق اس حقیقت کو جہت اعلیٰ کے ذریعے حاصل ہے۔ زندہ کرنا، مارنا، لطف وقہر، رضا وغم، غرضے کہ تمام عالم میں اپنی ذات اور بشریت میں کامل طور پر تصرف کرے اور عالم سفلی کی طرف اس کا نزول اسی غرض سے ہے کہ جیسے اس نے اپنے باطن سے باطنی خواص کو احاطہ میں لے رکھا ہے۔ اسی طرح اپنے ظاہر سے ظاہری عالم کے خواص پر محیط ہوجائے۔ لہٰذا ان دونوں صفات کے عطیہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مجمع البحرین اور رحمۃ اللعالمین ہیں۔

حقیقت محمدی ﷺ اپنے استعداد اور مرتبے کے مطابق ظاہری صورت اختیار کرتی ہے جس کو نبی ﷺ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جن پر کثرت کا غلبہ ہے وہ ان صورتوں کو جدا جدا خیال کرتے ہیں اور اس حقیقت محمدی ﷺ سے جو تمام اسماء کو جامع ہے، غیر سمجھ کر ہر ایک کو الگ الگ اسم الٰہی کا مرکز قرار دیتے ہیں۔

بتقاضائے کثرت تعداد اس کے قائم مقام نبی ہوجاتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کبھی اس کے نائب اولیاء ہوجاتے ہیں جیسے کہ حضرت خضر علیہ السلام۔ چونکہ نبوت کا سلسلہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے تشریف لانے پر ختم ہوگیا تو اب یہ مقام قطبیت اولیاء اللہ کی طرف منتقل ہوا۔ لہٰذا تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ہر زمانے میں ایک ولی اللہ قطبیت کے درجہ پر قائم مقام ہوکر انتظام اور مخلوقات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور پھر خاتمہ ولایت کا ظہور ہوکر دائرہ ولایت ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد قیامت کا آنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ باطنی اسماء کا دورہ پورا ہونے کے لیے منتظر ہیں۔ جب یہ دورہ پورا ہوجائے گا تو ہر ظاہری منظر عالم اخفا یعنی باطن کی سمت رجوع ہوجائے گا اور جو باطن میں ہے وہ ظاہر ہوجائے گا۔ یعنی مردے زندہ ہوجائیں گے اور سب عالم شہود ختم ہوجائے گا۔
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَo (سورۃ المومنون:14)
حضور نبی کریم ﷺ شفیع المذنبین ہیں۔ تمام پیغمبروں کی امتوں کی نجات آپ ﷺ کی چشم کرم پر ہے۔

لفظ مقدس (اللہ) تمام اسماء پر حاوی ہے اور اپنے رتبہ واقتدار کے لحاظ سے سب سے زیادہ درخشاں وتاباں ہے اور تمام اسمائے الٰہیہ پر مقدم ہے۔ اسی طرح لفظ مقدس (محمد ﷺ) تمام اوصاف حمیدہ پر غالب ہے اور تمام مظاہر پر مقدم ہے اور بلحاظ اپنی شان سب پر اظہر من الشمس ہے۔

اسم اللہ کو باقی اسماء کے ساتھ دو نسبتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے کل اسماء میں ظاہر ہے اور اپنے

مراتب کے اعتبار سے سب پر شامل ہے۔

اسم محمد ﷺ اپنے اوصاف کے اعتبار سے کل صفات میں ظاہر ہے اور اپنے مراتب کے اعتبار سے سب سے افضل ہے اور سب پر شامل ہے۔ اپنی شان کے لحاظ سے سب میں جلوہ گر ہے۔

جس طرح اسم اللہ تمام اسمائے الٰہیہ پر مقدم ہے، اسی طرح اس کا مظہر انسان تمام مظاہر پر مقدم ہے۔ کل عالم انسان کی حقیقت کا مظہر ہے اور وہ حقیقت اسم اللہ کی مظہر ہے۔ پس اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ باقی تمام ارواح انسانی روح کی جزئیات ہیں۔ اسی وجہ سے مفصل عالم کو انسان کبیر کہتے ہیں۔ انھیں خوبیوں کی بناء پر اور اسی کمال کی بدولت یہ حضرت انسان خلافت کا حق دار اور خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے۔

جُزو اسے کہتے ہیں کہ اس کے اور غیر کے مل جانے سے کل بنے۔ جیسے سرکہ اور شہد دو اجزاء ہیں۔ اگر دونوں کو باہم ملایا جائے تو اس مجموعہ کا نام سکنجبین ہوا یا سمجھ لو کہ قند اور پانی دو چیزیں ہیں، ان کا مرکب شربت ہو گیا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (سورۃ النور:35)

اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا O

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ O (سورۃ مائدہ:15)

بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید) O

..... وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ O (سورۃ ق:16)

..... اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں O

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (سورۃ التوبۃ:128)

بے شک تمھارے پاس تم میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمھارا تکلیف ومشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمھارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب وآرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

میرے محبوب نبی اکرم ﷺ مومنوں سے بمقابلہ ان کی جانوں کے زیادہ قریب ہیں۔

میں رب العالمین ہوں۔ میرا محبوب رحمۃ اللعالمین ہے۔

میں رؤف الرحیم ہوں۔ میرا محبوب رؤف الرحیم ہے۔

میں بزرگ ہوں۔ میرا محبوب برگزیدہ ہے۔

میں عظیم صفات والا ہوں۔ میرا محبوب عظیم خلق والا ہے۔

میں تعریف کیا گیا ہوں۔ میرا محبوب سراپا تعریف ہے۔

میں اکیلا ہوں۔ میرا محبوب یکتا ہے۔

میں حکمت والا ہوں۔ میرا محبوب فضیلت والا ہے۔
میں بڑا غلبے والا ہوں۔ میرا محبوب ڈرانے والا ہے۔
میں راہ دکھانے والا ہوں۔ میرا محبوب راہ ہدایت پر چلانے والا ہے۔
میں کفایت کرنے والا اور حساب لینے والا ہوں۔ میرا محبوب معاف کرنے والا اور شفاعت کرنے والا ہے۔
میں برتر اور بردبار ہوں۔ میرا محبوب بلند مرتبے والا اور پاکیزہ ہے۔
میں تمام جہانوں کا بادشاہ ہوں۔ میرا محبوب تمام جہانوں کا سردار ہے۔
میں ظاہر اور پوشیدہ ہوں۔ میرا محبوب روشن اور کملی اوڑھنے والا (پوشیدہ) ہے۔
میں امن میں رکھنے والا ہوں۔ میرا محبوب خوشخبری دینے والا ہے۔
میں بے نیاز ہوں۔ میرا محبوب یگانہ صفت والا ہے۔
میں بڑا باریک بین ہوں۔ میرا محبوب جامع کمالات و خاتم النبیین ہے۔
میرا ہاتھ میرے محبوب کا ہاتھ ہے۔ میرے محبوب کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔
اے محبوب ﷺ: آپ نے جب ریت کی مٹھی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی بلکہ ہم (اللہ تعالیٰ) نے پھینکی۔
مسلمانو! تم نے ان کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔
اے محبوب ﷺ: آپ ﷺ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ اس فضل عظیم میں تو تمام صفاتِ مصطفےٰ شامل ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ہر صفت عظیم ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حضور نبی کریم محبوب رب العالمین ﷺ کے ارشادات گوہر بار

میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے روشن ہے۔

جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا۔

جس نے مجھ پر درود وسلام بھیجا اس کے لیے وہ اس کے سارے رنج وغم اور گناہوں کو مٹانے کے لیے کافی ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔ اس نور کو عقل اول بھی ارشاد فرمایا۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔ اس کے بعد عقول اور نفوس ناطقہ ملکیہ وغیرہ اور صورت طبعیہ، ہیولیٰ کلیہ اور صورت جسمیہ بسیط ومرکب پیدا فرمائیں۔

اسماء کے ظہور کے ساتھ مصور (صورت گر) نے تمام صورتیں پکڑ لیں۔

میرا نور سب سے اول تھا اور میں اس وقت بھی موجود تھا جب کہ آدم کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔

اس مقدس بیان کی تائید حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اپنے خطبہ عالیہ میں بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

میں بسم اللہ کی با کا نقطہ ہوں۔ میں وہ محبوب ہوں جس کے بارے میں حد سے بڑھ گئے ہو۔ میں قلم اور لوح محفوظ ہوں۔ میں عرش اور کرسی ہوں۔ میں سات آسمان اور زمینیں ہوں یہاں تک کہ میری تعریف میں خطبہ صحیح ہو۔

اور جب وحدت کی تجلی کم ہوگئی تو ہوش میں آئے اور عالم بشری کی طرف رجوع کر کے عذر کرنے لگے اور عبودیت کا اقرار کیا۔ مردِ کامل کو تمام موجودات میں سرایت کر جانا چاہیے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے تمام موجودات کو منور فرمایا ہے جو جاری وساری ہے۔ یہ مقام تجھے روحانی سفر میں حاصل ہوگا جسے بقاباللہ کہتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے سب سے اول حضور پرنور نبی کریم ﷺ کا نور پیدا کیا۔ جس کو عقل اول بھی کہتے ہیں۔ اس میں دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت وجوب ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دوسری جہت امکان ہے جو اس کی اپنی ہے۔ یعنی واجب الغیر اور ممکن بالذات ہے۔ جہت وجوب سے عقل دوم کو پیدا کیا اور جہت امکان سے عرش کو پیدا کیا۔ اسی طرح عقل دوم کی دو جہتیں ہیں۔ جہت وجوب سے عقل سوم کو اور اسی سے عقل چہارم اور جہت امکان سے ساتویں آسمان اور کرسی کو پیدا کیا۔ اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ دسویں عقل ظہور میں آئی۔ دسویں عقل کو عقل فعال بھی کہتے ہیں۔ افراد عالم اسی کے ذریعے سے وجود میں آئے۔

علم انسان کی انتہا عرش تک محدود ہے۔ اس کے اوپر بیان کرنا آسان نہیں بلکہ طاقت بشری سے باہر ہے۔

زمین کثیف ہے۔ اس کے اوپر عرش تک بتدریج لطافت کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

زمین کے مرکز کو مرکز عالم کہا جاتا ہے اور مرکز سے محیط کی طرف جانے کو بلندی کی طرف جانا کہتے ہیں اور محیط سے مرکز کی سمت جانے کو پستی کہتے ہیں۔

بہائم حشرات وغیرہ پر حساب یا مواٗخذہ کی قید نہیں۔مگر روح انسانی کو روحِ اعظم قرار دیا گیا ہے۔اس کے لیے ذمہ داری اور محاسبہ ہے اور یہ نورِ نفس کلیہ عقل اور قلمِ اعلیٰ کا مالک ہے۔یعنی روح عالمِ امر میں سے ایک لطیفے کا نام ہے۔

یہ امر مخفی نہ رہے کہ عقول کے لیے کوئی مکان نہیں کیونکہ یہ مجردات سے ہیں اور مجرد مکان سے منزہ ہوتا ہے اور عالم اجسام میں عقول کے نام ان کے اعمال کے باعث لکھے گئے ہیں۔

روحِ اعظم درحقیقت انسان کی روح ہے جو بلحاظ ربوبیت ممتاز اور ذاتِ حق کا مظہر ہے جسے بجز خالق اکبر کوئی شخص نہیں پہچان سکتا نہ ہی جسم کو چھوڑتے وقت وہ کسی کو نظر آسکتی ہے۔

حضور پرنور نبی کریم ﷺ کی نعت شریف کی صورت میں قرآن مجید کا نزول ہوا۔قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور سراپا حق تعالیٰ سبحانہ کی تعریف اور معرفت ہے۔قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور سراپا حضور پرنور نبی کریم ﷺ کی نعت اور معرفت ہے۔اس معرفت کو اہلِ عرفان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بظاہر آپ ﷺ کی ذات مقدس نبوت و رسالت میں جلوہ نما ہوئی۔جس طرح کہ سورج کو اس کے نور نے چھپالیا ہے کہ کوئی بھی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا بعینہ حضور پرنور ﷺ کی نورانیت پردہ بن گئی ہے۔

حضور پرنور نبی کریم محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اطہر جامع کمالات اور محبؐ کے اوصاف سے متصف ہے۔آپ ﷺ مظہر نورِ خدا اور محبؐ کے جمال اور کمال سے سرفراز ہیں۔

آپ ﷺ کے لیے جمیع محامد (عمدہ اوصاف) ثابت و قائم ہیں۔اپنی شان اطلاق اور عظمت میں وہ آنکھوں کے ادراک سے مخفی اپنے جمال و نور میں گمان و وہم کے لحوق (آمیزش ، ملاوٹ) سے پاک ،اپنی ذات میں مخلوق کی مشابہت سے مبرا،اپنی صفات میں یکتاء اور بے مثل اور خلق عظیم والے ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان عالی کہ میرا نور سب سے اول تھا،اس لیے آپ ﷺ مخلوقِ باری تعالیٰ کے ایسا ظاہر ہیں کہ ادراک اس ظہورِ الٰہی کی فہمید (سمجھ) میں سرگرداں پھر رہا ہے۔ایسا باطن ہیں کہ اس باطن کے اسرارِ مخفیہ کے سمجھنے کے کوئی قابل ہی نہیں۔

آپ ﷺ اسرارِ الٰہی کی کنجی ہیں۔

تمام کائنات کی زندگی آپ ﷺ کے دریائے رحمت کے قطروں میں سے ایک چھوٹا سا قطرہ ہے۔

تمام کائنات کا وجود آپ ﷺ کی ذاتِ اطہر کے ظہور کی بدولت ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنی حکمت کاملہ سے بعض اسرار کو پوشیدہ رکھا ہے۔حق تعالیٰ جب محبوں کو اپنے انوار سے زندہ کرتا ہے تو انھیں وہ رویت نصیب ہوتی ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مقدس کو ہوئی چونکہ حق تعالیٰ لامکان اور بے جہت ہے اس واسطے حضور پرنور ﷺ حق تعالیٰ کے اوصاف سے متصف ہوئے۔

سانپ کی طرح کینچلی سے نکل کر نگاہ کرو تو عاشق و معشوق اور عشق تینوں کو ایک ہی پاؤ گے یعنی عالم توحید میں ایک ہی

ہے۔اس لیے تمھیں وہی ایک نظر آئے گا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے کہ اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی اور میں نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے۔

حضور پرنور نبی کریم ﷺ کے نور مبارک سے ہی چاند روشن ہے اور سورج آپ کے نور ِزیبا ہی سے چمک رہا ہے۔

حضرت آدم صفی اللہ علیہ والصلوٰۃ السلام کا وجودِ مبارک جب عمل میں آیا تو پیشانی مبارک پر حضور نبی کریم ﷺ کا نور مبارک ظاہر ہوا اور آپ ملائکہ کے مسجود بنے اور ملائکہ کی جبینیں سجدہ ریز ہوگئیں۔حضرت آدمؑ نے آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑا تو کامیاب ہوگئے۔

حضرت نوح نجی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی آپ کے نور کی برکت سے کنارے لگی۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلو ۃ والسلام پر آتشِ نمرود آپ ﷺ کے روشن نور سے ٹھنڈی ہوگئی اور گلزار بن گئی۔

حضرت یوسف علیہ الصلو ۃ والسلام کے حسن کو آپ ﷺ کے نور ہی نے ضیاء بخشی۔

حضرت ایوب علیہ الصلو ۃ والسلام نے اپنی مصیبت میں آپ ﷺ ہی کو پکارا تو اس پکارنے پر مصیبت دور ہوئی۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلو ۃ والسلام ہمیشہ آپ ﷺ کا وسیلہ پکڑنے والے اور قیامت میں آپ ﷺ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے اور دریائے نیل آپ ﷺ کے نور کے طفیل ہی پار کر گئے۔

حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلو ۃ والسلام کی مسیحائی آپ ﷺ کے نور کے تصرفات تھے اور آپ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اطہر کی بشارت اور آپ ہی کی صفاتِ حسنہ کی خبر دیتے اور آپ کی مدح کرتے ہوئے آئے۔

آپ ﷺ کے نور کے طفیل انبیاءالکرام ومرسلین پر حق تعالیٰ سبحانہ کی عنایت بے غایت ہوئیں اور آپ ﷺ کے نور ہی کے فیضان سے ان ارواح میں وہ قابلیت پیدا ہوگئی کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصبِ نبوت عطا ہوا اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے۔

آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس ایسی لطیف تھی کہ آپ ﷺ کی ذات منزہ کا کوئی سایہ نہ تھا۔

آپ کے جسم لطیف سے لطیف خوشبو ہر وقت عطر بیز رہتی تھی جس سے فضا چارسو معطر ہو جاتی۔ایسی خوشبو کہ نہ تو آپ ﷺ سے پہلے کبھی کسی سے مہکی اور نہ ہی بعد میں مہکے گی۔

آپ ﷺ ایسے متکلم ہیں کہ جس قدر امر بالمعروف ونہی عن المنکر تمام مخلوقات کے گوش جان ہیں،آپ کی گویائی کا لُبِ لباب ہیں۔

آپ ﷺ ایسے بامراد ہیں کہ تمام کی مرادیں اسی مراد کی کتاب کا ایک حرف ہیں۔

آپ ﷺ کا کلام اللہ کا کلام،آپ ﷺ کا حکم اللہ کا حکم،آپ ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ،جس نے آپ ﷺ کی اطاعت نہ کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس مظہر ذوالجلال والاکرام ہے،صفات محبوبی سے متصف ہے اور عظمت وکمال کے اوصاف

سے موصوف اور معروف ہے۔

آپ ﷺ کی عظمت اور شان انوار صفاتیہ میں جلوہ نما ہے۔

آپ ﷺ کی شناسائی آپ ﷺ کی رضا کے بغیر محال ہے۔

آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس کی تجلیات کا مشاہدہ نورانی بصر باطنی کے سوا ممکن الحصول نہیں۔ آپ ﷺ رؤف الرحیم ہیں۔ ناچیز سے ناچیز غلام پر نظرِ عنایت ہو جائے تو شناسا کر دیتے ہیں۔

آپ ﷺ جیسا کوئی بھی شفیق نہ تو ہے، نہ ہی ہوا اور نہ ہی ہوگا۔

آپ کی ذات مقدس ہر قسم کی مشابہت، اضداد اور اشکال سے بلند وارفع، یکتا اور بے مثل ہے۔

آپ ﷺ منبع انوارِ الٰہی و جمیع صفات الحسنیٰ ہیں۔

آپ ﷺ مقام محمود پر جلوہ فگن ہیں۔

آپ احمد و محمد ﷺ یعنی مجسمہ اوصاف حمیدہ ہیں۔

آپ ﷺ اپنے اسماء و صفات کی ساتھ جلوہ نما ہیں۔ آپ ﷺ کی فضیلت اور عظمت پر آیات قرآن سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

حقیقتِ محمدی

یہ امر ذہن نشین ہونا چاہیے کہ ہر اسمِ الٰہی کی علمی صورت اس اسمِ الٰہی میں کما حقہ موجود ہے جسے ماہیت اور عین ثابت کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کل موجودات میں ظاہر ہے اور یہ حقیقت رب الارباب سے وابستہ اور ہم رشتہ پیوستہ ہے جو تمام عالم کی پرورش کر رہی ہے، ظاہر کو ظاہری طور پر اور باطن کو باطنی طور پر پرورش کر رہی ہے۔

یہ شانِ ربوبیت اس حقیقت کی طرف سے ہے، بشریت کی جانب سے نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر رحمۃ اللعالمین ہے اور بشریت کے لحاظ سے عبد اور مربوب ہیں اور اپنے رب کے محتاج ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ علمِ ربوبیت اور حقِ ربوبیت یہ دونوں بحث طلب ہیں۔ علمِ ربوبیت تو قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ ہم نے تم کو تھوڑا علم دیا یعنی جس سے ہم صرف حق تعالیٰ کو پہچان سکیں۔ مگر حق ربوبیت اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جبکہ ہر حق دار بندہ اپنی پوری طاقت اور اطاعت سے اس کا حق بھی ادا کرے۔ لہٰذا یہ کل اسماء اسی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کے جلوے ہیں اور انھیں اسمائے حسنٰی کے لحاظ سے حقیقت تمام عالم میں ہر ایک چیز کی استعداد کے مطابق کامل طور پر تصرف کرتی ہے اور یہی حقیقت ہر دو جہت یعنی اُلوہیت اور عبودیت کو شامل ہے۔ لہٰذا پورے جہاں کی پرورش کا حق اس حقیقت کو جہتِ اعلیٰ کے ذریعے حاصل ہے۔ زندہ کرنا، مارنا، لطف و قہر، رضا و غم، تمام صفات اس میں موجود ہیں تاکہ تمام عالم اپنی ذات اور بشریت میں کامل طور پر تصرف کرے اور عالم سفلی کی طرف اس کا نزول اسی غرض سے ہے کہ جیسے اس نے اپنے باطن سے باطنی خواص کو احاطہ میں لے رکھا ہے اسی طرح اپنے ظاہر سے ظاہری عالم کے خواص پر محیط ہو جائے۔ لہٰذا ان دونوں صفات کے عطیہ سے محبوبِ الہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم مجمع البحرین اور رحمت اللعالمین ہیں۔

❁❁❁❁❁

فضائل درود شریف

بے شمار صلوٰۃ وسلام اس مظہر اتم پر جس کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر اور خلفاء راشدین پر اور تمام صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین پر۔

مظہر اتم سے مراد وہ مبارک ہستی ہے جس پر حق تعالیٰ نے اپنے پورے اسماء اور پوری صفات کے ساتھ تجلی فرمائی ہو اور یہ انعام کسی اور پر نہ کیا گیا ہو اور جس پر اتمام حجت ہو چکی ہو۔

☆ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ،

وہ شخص بڑا بخیل اور مغرور ہے کہ جس کے سامنے میرا نام آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضور نبی اکرم نور مجسم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر جو کہ محبوب الہ العالمین، افضل الانبیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین، اور آخر الزمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر و نبی برحق ہے۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق دل سے پیروی کی وہ داخل منزلِ مقصود ہوا۔ ان کے لیے نہ ہی کسی بھی قسم کا کوئی خوف ہے اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی غم ہے۔ جس نے روگشی کی وہ قہرِ مذلت میں پڑ کر مردود ہوا اور ہلاکت میں گرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبی اور عظمت کا اندازہ اس سے ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ بذاتِ خود اور تمام فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر پر شب و روز درود بھیجتے ہیں اور تمام مسلمانوں پر بھی شب و روز درود بھیجنا اور سلام بھیجنا فرض کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

آل کا مفہوم

لفظ 'آل' کا لغوی مطلب 'تابعدار' ہے۔ لہٰذا ہر امتی جو حضور محبوب الہ العالمین کی ذاتِ اطہر کا تابعدار ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے۔ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ

جو شخص میری تابعداری ایمان لانے کے بعد کرے وہی شخص میری آل ہے۔

قرآن مجید میں آلِ فرعون کا لفظ بھی آیا ہے اور اس سے مراد فرعون کے تابعدار ہیں۔ وہاں آل سے مراد اولاد نہیں۔

بعد تحیۃ و درود و سلام بیان ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے اسماء وصفات کے ساتھ اپنی عظمت اور شانِ کبریائی کی معرفت بخشنے کے لیے اپنے اولیاء کو اپنے قرب کی سعادت عطا فرمائی۔ ان کے قلوب کو اپنی طرف منعطف اور ان پر الطاف واکرام وتوجہ فرما کر نفسانی کدورتوں سے طاہر فرما کر ان میں جس کو چاہا اپنی رسالت، نبوت اور سفارت کے لیے منتخب فرما لیا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں جن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ حکم فرمایا۔ اطاعت کرنے والوں کے لیے وعدہ اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے وعید اور تمام مخلوقات پر اطاعت گزاروں کو فضیلت بخشی اور ان کے درجات بلند فرمائے اور حضور نبی اکرم نورِ مجسم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کو ان کا خاتم بنا دیا۔ اس ضمن میں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور حضور نبی اکرم پر ایمان لانے کا حکم حق تعالیٰ نے صادر فرمایا اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان کو معرفت حاصل ہوئی۔

ہمیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کے اسوۂ حسنہ پر عامل ہونا ضروری ہے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

صدیقیت

حق تعالیٰ سبحانہ نے نفس انسانی کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں: ایک قوت عاملہ اور دوسری قوت عاقلہ
جب قوت عاملہ کی تہذیب اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اسی کا نام عصمت ہو جاتا ہے۔ قوت عاقلہ کی تہذیب کے درجہ کمال کا نام وحی ہے۔ عام طور پر لوگ ان دونوں قوتوں کے درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتے۔ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صورت میں قوتِ عاملہ کو معراج حاصل ہوا۔ آپ ﷺ کے بعد دونوں قوتوں کے متزاج سے سلسلہءِ ولایت شروع ہوا۔

امت محمدیہ ﷺ میں بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ جو فطرتاً نبی ﷺ سے مشابہت رکھتے ہیں، اگر یہ مشابہت قوائے عقلیہ میں ہو تو اس شخص کو صدیق اور محدث کہتے ہیں، اور اگر قوائے عملیہ میں ہو تو وہ شہید یا حواری کہا جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ۔۔۔) (سورۃ الحدید:19) میں انھی دونوں مقامات کی طرف اشارہ ہے لیکن صدیق اور محدث میں یہ فرق ہے کہ صدیق کی روح پیغمبر خدا کا اثر نہایت سرعت سے قبول کرتی ہے جس طرح گندھک آگ سے بہت جلد مشتعل ہو جاتی ہے، اس لیے جب وہ پیغمبر حق کی زبان مبارک سے کوئی فرمان سنتا ہے، تو وہ اس کو اپنی روحانی شہادت سے فوراً تسلیم کر لیتا ہے، گویا اس کا علم تقلیدی نہیں ہوتا، بلکہ خود اس کی قلبی کیفیت یہ ہوتی ہے جو منتہائے عشق و محبت و خلوص ہے، جو ان کو محبوب پیغمبر کے ساتھ ہوتا ہے۔

صدیق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتا ہے اور بغیر معجزہ کے لاتا ہے۔

صدیقیت حق تعالیٰ کا فرمان ہے یعنی وہ جو سچ لایا (محبوب ﷺ) اور جس نے اس کی تصدیق کی۔ صدیق کے چند اور خصائص ہیں ایک تو وہ پیغمبر ﷺ کی محبت اور عشق میں اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے، کسی بھی بات میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، پیغمبر کی صحبت میں اکثر رہتا ہے، اور خواب کی تعبیر صحیح بیان فرماتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اکثر سیدنا حضرت عبداللہ ابن ابی قحافہ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے خوابوں کی تعبیر دریافت فرماتے تھے۔ سیدنا حضرت علیؓ المرتضیٰ کرم اللہ اخ الرسول ﷺ بھی بہت معبر (خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے والے) تھے۔

سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی ذاتِ اطہر کی نسبت یہ مروی ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر وحی نازل ہوتی تھی تو وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آواز کی گنگناہٹ سنتے تھے۔

❁❁❁❁❁

محدثیت

محدثیت کا خاصہ یہ ہے کہ بہت سے واقعات میں قرآن مجید اس کی رائے کی تائید میں نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان میں محدثین تھے اور میری امت میں بھی محدث ہے اور وہ فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ ہے۔ نیز فرمایا حق تعالیٰ سبحانہ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پر اتار دیا ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی یا پیغمبر ہونا ہوتا تو وہ عمر بن الخطابؓ ہوتے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے اے عمرؓ جب شیطان تم سے کسی راستے میں ملتا ہے تو وہ راستہ اختیار کرتا ہے، جو تمھارے راستے سے الگ ہو۔

عصمت

عصمت، انبیاء اور صدیقین کا مخصوص وصف ہے۔ اس وصف سے متصف کو صاحب الحیاء والایمان کہا جاتا ہے۔ چنانچہ احادیث پاک میں جو فضائل ومناقب سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی ذات اطہر کے مذکور ہیں، ان میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے اور آپؓ کے صوفیانہ اخلاق میں تمکین واستقامت اور شرم وحیا سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔ آپؓ کی تمکین (وقار) واستقامت کا یہ حال تھا کہ جس وقت آپؓ شہید کیے گئے آپ نے اپنی جگہ سے مطلق جنبش نہیں فرمائی، کسی دوسرے کو مدافعت کرنے کا حکم نہیں فرمایا، اور قرآن مجید کو اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔ یہاں تک کہ جب آپؓ نے شہادت فرمائی تو اپنے خونِ اطہر کے نذرانے سے قرآن مجید کی تکریم فرمائی۔ آیۃ کریمہ ''فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝'' (سورۃ البقرہ:137) پر آپؓ کے خون مبارک کے قطرے ٹپکے۔ آپؓ پر حیا اس قدر غالب تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مقدس نے آپؓ کو صاحب الحیاء والایمان فرمایا اور یہ حیا حق تعالیٰ سبحانہ کی عظمت وجلال وجمال کے دیکھنے سے، اس کے حقوق کے ادا کرنے سے، اپنے عجز ودر ماندگی کے اعتراف میں اور اس کی ہیبت کی وجہ سے تھی۔

دخول فی السعاۃ جس کے معنی یہ ہیں کہ انسان ایک چیز کے اندر داخل بھی ہو اور اس سے خارج بھی ہو۔ ہر چیز کے ساتھ بھی ہو اور ہر چیز سے الگ بھی ہو۔ وہ بظاہر تو دنیاوی امور میں مشغول ہو مثلاً اہل وعیال میں اور اس کے لیے رزق حلال کی جدوجہد اور معاش کے لیے کوشش کرے لیکن حقیقتاً وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یادِ حق سے غافل نہیں ہوتا۔ اس کی حیاء اپنے آپ کو پہچاننے اور اپنے حال سے فنا اور مشاہدہءِ حق میں بقا کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے آپؓ کو صاحب الحیاو الایمان اور دخول فی السعاۃ انبیا کہا جاتا ہے۔

فراست

فراست انبیاء، صدیقین، صالحین اور اولیاء عظام کا مخصوص وصف ہے۔ ان اوصاف سے متصف کو باب الحکمۃ، باب العلم اور شہنشاہ ولایت کہا جاتا ہے۔ اس ضمن میں حدیث قدسی ہے کہ
مومن کی فراست سے بچو، بتحقیق وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔
حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے خاص الخاص اولیاء کو عالمین کا متصرف کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ تنہا حق تعالیٰ کی بات کے لیے وقف ہے تا کہ ان کی فراست سے دل منور ہوں اور ان کے احوال کی صفائی لوگوں کے باطن کو قرآن وسنت کے مطابق آراستہ اور سنوارنے والی اور تمام آلائشوں سے پاک کرنے والی ہو اور اس لیے کہ طالب صادق ان کی دعا و تصرفات اور توجہ سے تمام شرور پر نصرت حاصل کریں۔

شہید

شہید کفار پر غصہ اور سختی کرتا ہے۔ خوشنودی حق کے لیے شہید مواطن ملکوت میں سے کسی موقع پر، جس میں حق تعالیٰ سرکشوں سے انتقام لینا چاہتا ہے، دین کی مدد کرتا ہے۔ شہید حق تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر جاں نثاری کے جذبے میں ہر لمحہ تیار رہتا ہے۔

حواری

حواری ہمیشہ پیغمبر سے مخلصانہ محبت رکھتا ہے۔ حواری مدتوں پیغمبر کی صحبت میں رہتا ہے۔ حواری کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان میں بعض کو امین اور بعض کو رفیق کہتے ہیں اور نجباء ونقباء انھیں لوگوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نے حضرت زبیرؓ کو بشارت فرمائی تھی کہ وہ حواری ہیں اور شہید ہیں۔

مناقبِ صحابہ
(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ یہ بزرگ اور اطہر شخصیتیں اپنی مثال آپ تھیں۔ ان کے علو مرتبت کی اور کہیں نظیر نہیں ملتی۔ علی المراتب ان کے جدا جدا مقام تھے۔ صدیقیت، محدثیت، عصمت، فراست، حواریت، شہیدیت اور اہل صفہؓ۔ حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات مقدس نے ان پر کلمۃ التقویٰ لازم کر دیا اور ان کے نفوس میں تجرد عن الدنیا کی استعداد رکھ دی۔ لہٰذا ان ہی میں سے نقباء، نجباء، اوتاد، ابدال، قطب اور غوث بعد میں پیدا ہوئے۔

اصحابِ صفہ
(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ اپنے حال سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی تھے اور طبعی تقاضوں کے قبضے سے رہائی پا کر باطن کی حقیقت کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ محبتِ الٰہی کی وجہ سے نفسانی خواہشات سے پاک صاف یعنی صاف باطن تھے۔ محبوب حقیقی میں متفرق اور ماسوائے حق سے بیزار اور فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ صفائے باطن کی بدولت ان کی بارگاہِ قدس میں حاضری ایسی ہے جس کو زوال نہیں۔ یعنی یہ ایسی حاضری ہے جس کو غیبت نہیں ہوتی اور ایسا موجود ہوتا ہے جس کا وجود اسباب پر موقوف نہیں ہوتا۔ جب وہ اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو دنیا و آخرت میں فانی ہو جاتا ہے اور انسانیت کی روش ورفتار میں ربانی ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے سونا و مٹی کا ڈھیلا یکساں ہو جاتا ہے۔

جس کے جذبہ عشق وعرفان کا کوئی ظاہری سبب ہو وہ عارف وعاشق الٰہی نہیں ہوسکتا۔

احکام شریعت (جن کا بجالانا انسان پر فرض کیا گیا ہو) کی حفاظت و بجا آوری دوسروں پر تو دشوار ہوتی ہے لیکن ان پر آسان ہوتی ہے۔

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مستقل طور پر مسجد نبوی ﷺ میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اور دنیا سے دستبردار

ہوکر روزی کمانے سے اعراض کر رکھا تھا۔ستر فی صد احادیث پاک اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مجرد زندگی گزارتے تھے اگر ان میں سے کوئی بزرگ نکاح کر لیتا تو اس حلقہ سے علیٰحدہ ہو جاتا۔

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اکثر لوگ قاری ہوتے اور اشاعت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا مقصود ہوتا تو یہی حضرات بھیجے جاتے۔

اصحابِ صفہ کے گروہ نے حق تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی تھیں۔

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشغلہ حق تعالیٰ سبحانہ اور اس کے محبوب ﷺ کے نزدیک بے حد پسندیدہ تھا۔ ان حضرات کی عبادات تلاوتِ قرآن وسماعتِ قرآن اور احادیث پاک کا یکجا کرنا تھا۔ یہ دیدار مقدس ﷺ کے شب و روز مشتاق رہتے تھے اور حضور اقدس ﷺ کے دیدار کے شرف سے مشرف ہو کر اسی میں ہمیشہ سیر رہتے تھے۔ عام لوگ ان حضرات کو دیوانہ کہتے تھے۔

شمع رسالت ﷺ کے پروانے اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دن میں حضور پرنور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے اردگرد پروانہ وار رہتے اور محبوب ﷺ کے ارشادات عالیہ سے اپنے قلبوں کو منور فرماتے اور شب بھر حضور ﷺ کی ذات مقدس کا ہی ذکر پاک فرماتے تھے اور اس انتظار میں رہتے کہ کب شمع رسالت ﷺ ضیاء پاشیاں نور کی فرمادے اور ہم جاں نثار کریں اور حضور پرنور نبی کریم ﷺ بھی ان حضرات کے ساتھ انس رکھتے تھے اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کی تعظیم وتکریم کے لیے ارشاد فرماتے۔

ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل پر کلام الٰہی اور احادیث پاک ناطق ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے:

اے میرے محبوب ﷺ! ان لوگوں کو اپنے پاس سے علیٰحدہ نہ کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہیں محض اپنے رب کی خوشنودی کے لیے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس نے جب اصحابِ صفہ کے ذوق وشوق، ریاضت ومجاہدات میں اور مفلسی میں ان کے دلوں کو مطمئن اور خوش پایا تو ارشاد فرمایا:

اے اصحاب صفہ تمھیں بشارت ہے۔ پس جو شخص میری امت میں سے اس صفت پر باقی رہے گا جس پر کہ تم ہو وہ جنت میں میرے رفیقوں میں سے ہوگا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ولایت

ولایت فناء نفسانی کے بعد بندہ کا حق سے قریب ہونا ہے۔ انسانی ترقی کے روحانی و ایمانی درجات ولایت پر ختم ہوتے ہیں۔ جب کسی خوش نصیب کو ولایت عطا ہوتی ہے تو حق تعالیٰ سبحانہ اسے قدرت عطا فرماتا ہے اور منتہائے قرب اور تمکین و تصرف کو پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ باذن اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

ولایت کے لفظی معنی تو سچی اور مخلصانہ دوستی کے ہیں۔ ولایت ایک مستقل جذبہ عشق و محبت کا نام ہے جو عاشق کو معشوق کی ذات میں محو اور غرق کر دے۔

ولی کے معنی ہیں حق تعالیٰ کا سچا اور مخلص دوست جو اس کی اطاعت سے ذرہ بھر بھی سرتابی نہ کرتا ہو۔

ولی وہ ہے جس کے ساتھ محبت کی گئی ہو۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ O (سورۃ الاعراف: 196) (وہ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے) یعنی حق تعالیٰ اپنے بندوں کو خود ان کے افعال و اوصاف کی بناء پر نہیں چھوڑتا بلکہ ان کو بندگی کرنے کی قوت عطا فرماتا ہے۔

حق تعالیٰ اپنے دوستوں کا مددگار رہے کہ ان کی عقل کو اپنی صریح نشانیوں سے، ان کے دلوں کو اسرار و معارف کے کشف سے مدد دیتا ہے۔ اسی طرح انھیں نفس و شیطان کی مخالفت سے اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق سے نوازتا ہے۔

حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

حق تعالیٰ مومنوں کو دوست رکھتا ہے تا کہ وہ اس سے اس کی وجہ سے محبت کریں اور مخلوق کی محبت سے منہ موڑ لیں یہاں تک کہ وہ بھی ان کا ولی اور دوست ہو جائے۔

حق تعالیٰ بندہ کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کی لیے ولایت عطا کرتا ہے تا کہ اسے اپنی حفاظت و عصمت میں محفوظ رکھے، اسے اپنی بندگی پر قائم رہے۔ شیطان ایسے مومن کی آہٹ سے بھاگ جاتا ہے۔

حق تعالیٰ کی دوستی اس بات سے پیدا ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو حق تعالیٰ دشمن جانتا ہے، ان سے دشمنی کی جائے۔ مثلاً دنیا اور نفس امارہ۔ قیامت کے دن اولیاء کے ازار کا سبب یہ ہوگا کہ انھوں نے اس کے اختیار میں دخل روا رکھا اور اولیاء وہ ہیں کہ جنہیں کسی کام میں بھی اس کے سوا چین و قرار نہیں آتا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے:

اے میرے محبوب محمد ﷺ! آپ فرما دیں کہ اگر تم حق تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، حق تعالیٰ تم کو دوست بنا لے گا۔

حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو اس لیے بھی ولایت عطا کرتا ہے کہ ملک کا انتظام ان کے سپرد ہو اور ان کی دعا مستجاب ہو اور ان کے اقوال مقبول ہوں۔

تصوف و معرفت کے طریق کی بنیاد دراصل اصولِ ولایت اور اس کے ثابت کرنے میں قائم ہے۔

ولایت کی شرط حق کی نگہداشت ہے۔طریقت اور حقیقت کی بنیاد ولایت پر ہے۔

اولیاء کی قلبی اور باطنی کیفیات پر الفاظ حاوی نہیں ہو سکتے۔

اولیاءاللہ کے دل خود اس بات کے معترف ہیں کہ اس کی مغفرت اور محبت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے اس لیے ہر لمحہ ذکرِ حق میں مشغول ہیں۔

اولیاء صفات، مشائخ طریقت، امامانِ دین اور خواجگان معرفت، دنیا و مافیہا سے بیزار ہیں کیونکہ انھیں ہیبت و حیرت کا عذاب دکھائی دیتا ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے کہ سنو! حق تعالیٰ کے بندوں میں سے بعض وہ بندے ہیں کہ نبی اور شہید بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ بے لوث اور حق تعالیٰ کی وحی کے مطابق آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں اور وہ لوگ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا جبکہ لوگ خوفزدہ ہوں گے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے جبکہ اور لوگ غمزدہ ہوں گے۔فرمان الٰہی ہے کہ **اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ** (سورۃ یونس:62)

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ غم کریں گے۔فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جس نے حق تعالیٰ سبحانہ کے دوستوں کو اذیت پہنچائی، اس نے حق تعالیٰ کے ساتھ جنگ کو حلال سمجھا۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ جب حق تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اہلِ آسمان اسے دوست بنا لیتے ہیں اور اس بندہ کو اہل زمین میں بھی مقبول بنا دیتا ہے تو اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں دیتا یعنی وہ گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔

لفظ ولی پر کتاب و سنت ناطق ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** (حق تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○(سورۃ توبہ:7)

بلاشبہ حق تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○(سورۃ ال عمران:159)

بلاشبہ حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے بھروسہ کرنے والوں کو۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○(سورۃ التوبۃ:108)

اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○(سورۃ بقرۃ:222)

بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ولی میں ایسی باطنی قوت ہونی چاہیے کہ اگر سننے والا فرموداتِ اولیاء میں شک کرے تو اسے وہ عینی مشاہدہ کرا سکے اور کرامت کی قوت سے اسے قائل کر دے۔

اولیاء اللہ سے جو بھی کرامت ظاہر ہوتی ہے دراصل وہ نبوت و رسالت کا معجزہ ہے اور ان کا ظہور ہے۔ نبوت و رسالت کے معجزے حقیقت میں حق تعالیٰ سبحانہ کے کرشمے ہیں۔ ہر درجہ پر الٰہی طاقتیں ہی کام کرتی ہیں۔

ولی کے معنی ہیں حق تعالیٰ کا سچا اور مخلص دوست۔

ولی وہ ہے جس کے دل میں محبت الٰہی زیادہ ہو اور حق تعالیٰ کا حکم اس کے دل پر زیادہ باعظمت ہو اور وہ اس کی منع کردہ چیزوں سے دور ہو۔

محبت ایک ایسی کیفیت قلبی کا نام ہے جسے الفاظ میں ادا کرنا محال ہے۔ محبّ اور محبوب کے لطیف جذبات اور دلی ارادات کی ترجمانی الفاظ میں نہیں کی جاسکتی۔

دوستی میں صفائی اور خلوص کا نام محبت ہے۔

فطری طور پر حق تعالیٰ کی محبت بندے کو اور بندے کی محبت حق تعالیٰ کو تمام چیزوں سے زیادہ پسند و عزیز ہے۔

محبت کی دو قسمیں ہیں:۔ (1) اللہ کی محبت (2) بندے کی محبت

اللہ کی محبت بندے کے حق میں اس کا رحم و کرم اور بلند احوال و مقامات سے بندے کو سرفراز کرنا ہے۔

بندے کی محبت اللہ کے حق میں اس کے اوامر کو بجالانا اس کے مناہی سے باز رہنا اور اس کی خالص توحید سے دنیائے دل کو معمور کرنا ہے۔

حق تعالیٰ کی محبت بندے کے لیے اور بندے کی حق تعالیٰ کے لیے درست ہے۔ اس پر قرآن و سنت ناطق ہیں۔

ولی وہ ہے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں:

اول۔ سخاوت دریا جیسی ہو۔

دوم۔ شفقت آفتاب جیسی ہو۔

سوئم۔ تواضع زمین جیسی ہو۔

ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی، مشاہدہ حق تعالیٰ میں باقی ہو۔ نہ اپنی ذات کی نسبت وہ کچھ خبر دے سکے اور نہ غیر اللہ کے ساتھ اسے آرام ہو۔

ولی وہ ہے کہ اس کو کوئی خوف نہ ہو کیونکہ خوف زمانہ مستقبل میں کسی تکلیف کے آنے یا کسی محبوب ترین چیز کے فوت ہو جانے سے لاحق ہوتا ہے اور ولی اپنے موجودہ وقت کا پابند ہوتا ہے اس کا زمانہ مستقبل کوئی نہیں کہ وہ اس میں کسی چیز سے ڈرے اور جس طرح اسے خوف نہیں ہوتا اسی طرح اسے کوئی امید بھی نہیں ہوتی کیونکہ امید مستقبل میں کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے یا تکلیف کے دور ہونے کا انتظار ہوتا ہے اور یہ بھی دوسرے آنے والے وقت میں ہوتا ہے اور ایسے ہی اسے کوئی غم بھی نہیں ہوتا کیونکہ غم وقت کی سختی، ناسازگاری اور کدورت سے پیدا ہوتا ہے اور جو شخص رضائے الٰہی کی روشنی اور شکر کے نور اور موافقت کے باغ میں ہو اسے غم کیسے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o (سورۃ یونس:62)

سنو! اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہوتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

ولی وہ ہے جو اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی دوستی کے لیے فارغ کر دے اور دنیا و عقبیٰ کو اپنے دل میں کوئی راہ نہ دے اور اپنی دلی توجہ صرف حق تعالیٰ کی طرف رکھے۔

ولی وہ ہے جو اوصافِ بشریت سے نکل کر حق کے ساتھ باقی ہو۔

حق تعالیٰ کے ایسے عاشق بھی ہیں جنھیں حق تعالیٰ کی دوستی نے خاموش کر رکھا ہے کہ انھیں عالم موجودات کی کسی شے کی بھی خبر نہیں۔

حق تعالیٰ کے ایسے مرد کامل بھی ہیں کہ جو بھی معاملہ جہانوں میں گزرتا ہے اور عجائبات قدرت سے جو وقوع پذیر ہوتا ہے وہ سب ان کے پیشِ نظر ہے۔

جود وعطا اولیاءعظام کی ایک کمترین صفت ہے، اختیاری صورت میں ہو یا اضطراری صورت میں۔ وہ اپنا نفس، عزت، اولاد اور املاک، محبوبِ حقیقی کی راہ میں بےغرض خرچ کرتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں غنیٰ حاصل کیے ہوئے ہوتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اس کی دوستی میں اگر دونوں جہان بھی قربان کر دیے جائیں تو کم ہیں۔ جس کے دل میں حق تعالیٰ کی دوستی قرار پکڑتی ہے، اسے واجب ہے کہ دونوں جہانوں کو غیر دیکھے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ سچا عاشق نہیں۔

اولیاءعظام کا گروہ ہر وقت ظاہر میں تو جسمانی طہارت کے ساتھ رہتا ہے اور باطن میں دل کی طہارت یعنی توحید خالص کے ساتھ۔

حق تعالیٰ جس کو دوست رکھے گا بطور آزمائش اس کے سر پر بلائیں برسائے گا تاکہ اسے حقیقی فوز و فلاح سے سرفراز فرمائے۔

بغیر ملک الموت کے دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں۔ اس لیے کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

موت ایک پل ہے جو دوست کی دوست سے ملاقات کراتا ہے۔

جب حق تعالیٰ سبحانہ کسی بندے کو اپنا دوست بنانا چاہتا ہے تو اپنی محبت اس پر غالب کرتا ہے۔ جب اس پر یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مشاہدہءِ حق میں قرار پکڑ لیتا ہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ اسے فردانیت کی سرائے میں لاتا ہے تاکہ باقی رہے۔

محبت میں صادق وہ ہے جو دنیا و آخرت کی عزیز ترین اشیاء جو اس کے نزدیک ہوں، ان سے قطع تعلق کر کے حق تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی ذاتِ مقدس سے تعلق پیدا کر لے۔

محبّ وہ شخص ہے جو احکامِ الٰہی اور فرامینِ نبوی ﷺ کی خلوص اور صدق دل سے اطاعت کرے اور حق کی دوستی میں صادق ہو۔

جس دل میں محبت جگہ پکڑتی ہے وہ محبت حضور و غیبت، بلا و محنت، راحت و لذت، اور فراق و وصال سے متغیر نہیں ہوتی۔

محبت کو اس لیے محبت کہتے ہیں کہ وہ دل سے محبوب کے سوا سب کچھ مٹا دیتی ہے۔ حبِ الٰہی کو بھی حب اس لیے کہتے ہیں کہ محبت الٰہی حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی عزت و ذلت، راحت و مصیبت، تکلیف و آسائش اور وفا و جفا کو برداشت کرتی ہے اور یہ چیزیں اس پر گراں نہیں گزرتیں۔

حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول وہ شخص ہے کہ جو بارِ خلق کھینچے اور خوئے خوش رکھے۔

حق تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ دنیا وآخرت دونوں کو دوست نہ رکھے۔

مخلوق کی اذیت پر صبر کرنا منجملہ علاماتِ ولایت ہے۔

کلام الٰہی (وحی) انبیاء کے سوا کوئی نہیں سن سکتا اور حجاب سے اولیاء اللہ بلا صورت غیبی آواز سنتے ہیں جسے الہام کہا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء وہ ہیں جن کو اس نے اپنی دوستی اور ولایت کے لیے مخصوص فرمالیا ہے اور وہ اس کے ملک کے مالک ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء وہ ہیں جن کو اپنی محبت کے لیے مخلوقات میں سے چن کر اپنے فعل کے اظہار کا نشان بنادیا اور قسم قسم کی کرامات سے مخصوص فرمایا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء وہ ہیں جن کی طبیعت کی خرابیوں کو ان سے بالکل پاک کر دیا اور نفس کی متابعت سے چھڑا دیا ہے۔ پس ان کا مقصود اس کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں اور نہ ہی سوائے اس کے کسی اور سے ان کو انس ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء ہم سے پہلے گزشتہ زمانوں میں بھی ہوئے اور فی زمانہ بھی موجود ہیں اور اس کے بعد قیامت تک موجود رہیں گے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی اور یہ شرف عطا فرمایا اور یہ ذمہ لیا کہ دین کی حفاظت تا قیامت کروں گا اور شریعت محمدی ﷺ کو ہمیشہ محفوظ رکھوں گا۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے محبوب نبی اکرم ﷺ کی برہان کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنا دیا ہے تاکہ ہمیشہ حق کے نشانات اور حضور نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کی سچائی کی دلیل قائم رہے اور ایسے خاص اولیاء کو عالم کا متصرف کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ تنہا حق تعالیٰ کی بات کے لیے وقف ہو گئے ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء راہ سلوک (راہ حق) میں ثابت قدم رہتے ہیں، غیر متزلزل یقین رکھتے ہیں اور محبت میں صادق ہوتے ہیں۔ وہ سوائے حق کے کسی طرف نگاہ نہیں کرتے اور کسی بھی قسم کا دعویٰ نہیں کرتے۔ انھیں حق تعالیٰ ہر لمحہ اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لیے ہر وقت رنج و غم میں مبتلا رکھتا ہے، بلائیں برساتا ہے مگر وہ اُف تک نہیں کرتے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے چار ہزار (۴۰۰۰) اولیاء ایسے ہیں جو کہ صاحب تصرف ہیں، پوشیدہ رہتے ہیں، ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے، اپنے حال کی خوبی بھی نہیں جانتے اور تمام حالات میں خود اپنی ذات اور خلقت سے چھپے رہتے ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے اولیاء میں ایسے بھی ہیں جو عالم میں اہلِ تصرف ہیں اور درگاہِ حق کے لشکر ہیں۔ وہ تین صد ہیں۔ انھیں اخیار کہتے ہیں۔ چالیس دوسرے ہیں جنھیں اوتاد کہتے ہیں۔ تین اور ہیں جن کو نقیب کہتے ہیں۔ ایک اور ہے جسے غوث وقطب کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ کاموں میں ایک دوسرے کے اذن کے محتاج ہوتے ہیں اور اس بات پر اخبار مروجہ ناطق ہیں اور تمام اہلسنّت و جماعت بھی اس کی صحت سے متفق ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

ارکانِ اسلام

اسلام کی حقیقت یہ پانچ امر ہیں۔
(۱)شہادت توحید ورسالت (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوۃ (۵) حج

کلمہ طیبہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط ﷺ

حق تعالیٰ سبحانہ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جو کہ ہر لحہ کلمہ طیبہ کے ورد میں مشغول ہے۔اس ورد کی برکت سے سارے جہان کوروشنی دیتا ہے۔اس کا ایک ہاتھ مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں اوراس کے سامنے ایک تختی ہے جس پر لکیریں ہیں۔اس کی طرف دیکھ کر حکم الٰہی کے مطابق کبھی زیادہ روشنی کر دیتا ہے اور کبھی کم۔ یہ روشنی کا مؤکل کہلاتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے ایک اور فرشتہ مقرر فرمایا ہے جس کا ورد بھی کلمہ طیبہ ہے۔ وہ ہر لحہ اس ورد میں مشغول رہتا ہے اور اس ورد ہی کی برکت سے سارے جہان پر ہوا چلاتا ہے اور پانی برساتا ہے۔اس کا ایک ہاتھ زمین پر ہے اور ایک آسمان پر۔ یہ ہوا اور پانی کا مؤکل کہلاتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے دنیا کے گرد پہاڑ کا تسلسل پھیلا رکھا ہے۔اس پہاڑ پر بھی ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے۔اس کا نام قر تائیل ہے۔ یہ فرشتہ ہر لحہ کلمہ طیبہ کے ورد میں مشغول رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین کی رگیں اس کے ہاتھ میں دے رکھی ہیں۔کبھی وہ حکم الٰہی سے ہاتھ بند کرتا ہے اور کبھی کھولتا ہے۔ جب حق تعالیٰ زمین کو تنگ کرنا چاہتا ہے تو اس فرشتے کو رگیں کھینچنے کا حکم دیتا ہے جس سے زمین پر چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نباتات نہیں اُگتیں۔ جب فراخ سالی کرنا چاہتا ہے تو رگیں کھولنے کا حکم دیتا ہے۔ جب خلقت کو ڈرانا مقصود ہوتا ہے تو رگوں کو ہلانے کا حکم دیتا ہے، جسے زلزلہ کہتے ہیں۔ یہ فرشتہ پہاڑ کا مؤکل کہلاتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے کائنات میں ایک بہت بڑا پہاڑ بنایا ہے جو کہ اس دنیا سے کئی گنا بڑا ہے۔اس پہاڑ کے پیچھے چوالیس (۴۴) اور جہان ہیں اور ہر جہان میں اس کے چار سو حصے ہیں اور ہر ایک حصہ اس دنیا سے چار گنا ہے۔ وہاں پر کوئی تاریکی نہیں اور نہ ہی وہاں پر رات ہوتی ہے۔ وہاں کی زمین سونے کی ہے اور وہاں کے رہنے والے تمام ملائکہ ہیں۔ان سب کا ورد کلمہ طیبہ ہے جس کی برکت سے وہاں پر روشنی ہے۔ان جہانوں کے پیچھے تہ در تہ پردے ہیں جن کا

حال حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔اس پہاڑ کو ایک فرشتہ اٹھائے ہوئے ہے جس کی شکل گائے جیسی ہے۔اس کی لمبائی تیس (۳۰) ہزار سال کی راہ کے برابر ہے۔اس کا سر مشرق اور دم مغرب میں ہے۔اس فرشتہ کا ورد بھی کلمہ طیبہ ہے جس کی برکت سے وہ یہ بوجھ اُٹھائے ہوئے ہے۔(دلیل العارفین،چھٹی مجلس،ص54 تا60)

نوٹ از مدوّن:۔ملائکہ جمع ہے ملک کی اور ملک فرشتے کو کہتے ہیں۔فرشتے اجسام نوری ہیں جو خدائے تعالیٰ کے احکام کے پورے پورے مطیع وفرمان بردار ہیں۔اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔فرشتوں کی کوئی خاص صورت نہیں، صورت اور بدن ان کے حق میں ایسا ہے کہ جیسے ہمارے لیے ہمارا لباس،اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کر لیں۔ ہاں قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بازو ہیں، اس پر ہمیں ایمان رکھنا چاہیے۔حضرت جبرائیل،حضرت میکائیل،حضرت اسرافیل،حضرت عزرائیل علیہم السلام تمام ملائکہ سے افضل ومقرب ہیں۔ان چاروں کے بعد حاملانِ عرش کا مرتبہ ہے، پھر عرش معلے کے طواف کرنے والوں کا، پھر ملائکہ کرسی کا،ان کے بعد ساتوں آسمانوں کے ملائکہ کا درجہ بدرجہ مرتبہ ہے۔ان کے بعد وہ فرشتے ہیں جو ابر و ہوا پر مامور ہیں۔بادل چلاتے اور پانی لاتے ہیں۔ان کے بعد ان فرشتوں کا مرتبہ ہے جو پہاڑوں اور دریاؤں پر مؤکل ہیں اور ان کے بعد اور دوسرے فرشتے ہیں۔قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ میں فرشتوں،ان کی اقسام اور اُن کے فرائض منصبی کا ذکر کیا گیا۔صحیح مسلم کی ایک حدیث پاک میں پہاڑوں کے فرشتے کا ذکر کیا گیا ہے۔ترمذی شریف کی ایک حدیث مبارک میں بادلوں کے فرشتے ''رعد'' کا اس طرح سے ذکر ہوا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''رعد ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے۔اس کے ساتھ آگ کے کوڑے ہیں جن کے ساتھ وہ بادلوں کو ہانکتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔''(صحیح سنن ترمذی،کتاب التفسیر سورۃ الرعد:3117)

نوٹ:۔مزید تفصیلات کے لیے مطالعہ کیجیے: کتاب''فرشتوں کا تعارف اور ان کی ذمہ داریاں''،مؤلف:الشیخ عمر سلیمان الاشقر،مترجم:محمد حسن ظاہری،ناشر: مکتبہ الکریمیہ،رائل پارک،لاہور (مترجم)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

نماز

نماز کے معنی ہیں ذکر، دعا اور فرماں برداری۔ یہ اسلام کا رکن ہے جس کی قرآن اور احادیث میں بہت تاکید وارد ہوئی ہے۔ ایک سچے نمازی کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس کا ظاہر ہر قسم کی نجاست و ناپاکی سے پاک ہو، وہاں اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اس کا دل و باطن شرک و شہوات نفسانیہ سے بالکل پاک ہو۔ اگر اس کا ظاہری قبلہ خانہ کعبہ ہو تو اس کا باطنی قبلہ عرش عظیم ہو۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی سے بندہ میں بندگی کے تمام اوصاف اُجاگر ہو جاتے ہیں اور یہی معمول، حق تعالیٰ سبحانہ کے تقرب کا سب سے سہل طریقہ ہے۔

نماز مومن کے لیے معراج ہے اور ایک ایسا راز ہے جو کہ بندہ اور حق تعالیٰ کے درمیان ہے۔

نماز کا حقِ ادائیگی یہ ہے کہ ذوق وشوق اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کی جائے۔ اس طرح کہ خود کو قطعی طور پر فراموش کر دے اور حق تعالیٰ پر ہی نگاہ رہے۔

نماز کی ادائیگی کے لیے حق تعالیٰ سبحانہ کے حضور میں دلی توبہ، باطنی ندامت، اندرونی خوف، حیاء، خجالت اور شکستگی سے باادب ہو اور ہوائے نفسانی کو روکے ہوئے ایسے کھڑا ہو جیسا کہ ایک گناہگار شرمسار ہو کر حاضر ہوتا ہے اور اشکِ ندامت حسرت سے رخساروں پر بہا رہا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کے حضور میں جو بندہ سراپا عاجز ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت کو پہچانتے ہوئے اس ذات مقدس کی حمد وثنا صدق دل سے بیان کرتا ہے اس کو قربِ حق میسر ہوتا ہے۔ مگر یہ نماز ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

اہلِ عشق صبح کی نماز ادا کر کے جاءِ نماز پر قرار پکڑتے ہیں۔ ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ دوست کی نظر میں مقبول ہوں اور انوار کی تجلیات ان پر دم بدم ہوں۔ جو شخص راسخ العقائد ہو کر نہایت ہی صدق وخلوص اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے، اس کو حضور وآگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اس کی تشنگی میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی ہو جاتی ہے تاوقتیکہ لقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ اس لیے مومن کی معراج نماز میں ہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ کے قرب کی ابتدا نماز ہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ نماز ایک راز ہے۔ اسرارِ الٰہی اس شخص پر منکشف ہوتے ہیں جو اس کا اہل ہو اور وہ نماز ہی کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے ساتھ مومن نماز ہی کے ذریعے سے ہم کلام ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت بندے کو نماز ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ کے حضور میں اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف اور اس کی پاکیزگی وعظمت اور اس کی وحدانیت کا اقرار نماز ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔

نماز کی ادائیگی کا حق اصل میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے حضور بندہ دنیا ومافیہا سے بالکل بے خبر، اپنے حال سے فانی ہو

اور مشاہدہ حق میں باقی ہو۔اخص الخاص کی معراج یہی نماز ہے۔

جو شخص پانچوں نمازیں، تہجد، اشراق اور نماز چاشت وقت معین پر اور اس یقین محکم کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے حضور مشاہدہ حق میں ہے یا کہ حق تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو قیامت کے دن نماز روشنی کی مانند ایسے نمازی کی رہنما ہوگی۔

جب تو نماز کے لیے حق تعالیٰ سبحانہ کے حضور میں حاضر ہو تو قبلہ کا استقبال کر۔ استقبال سے مراد یہ ہے کہ تو نے جہاتِ مختلفہ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور صرف ایک جہت اللہ والی اختیار کر لی ہے۔ جہت کعبہ سے مترشح (ظاہر) ہو کہ ماسویٰ اللہ کے غبار سے اپنے چہرے کو صاف اور ستھرا کر لیا ہے اور صرف اس وحدہ لاشریک کو دل سے کعبہ مان لیا ہے۔

اور تو حق تعالیٰ سبحانہ کے حضور میں اس طرح کھڑا ہو کہ اپنی بے کسی اور بے بسی کو پیش کر کے عجز و زاری کرتا ہو اور ندامت کی وجہ سے اپنے گناہوں اور بداعمالیوں پر حسرت بھری نگاہوں سے اشک بار ہو۔

جب تو تکبیر تحریمہ کو ادا کرے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اُٹھائے تو اس کا مطلب یہ ہو کہ نفسانی خواہشات کے بتوں کو شہود کبریائی کے تیر سے توڑ کر تو نے تَبَتَّلْ اِلَی اللّٰہ (سب سے تعلق توڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وصف) حاصل کر لیا ہے۔ جب تو سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ زبان سے ادا کرے تو اس ذات پاک کی کبریائی اور تنزیہ (پاک ہونے) پر دل لگائے۔

جب تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہے تو نفسانی اعداء کی برائیوں، دھوکوں اور شروں سے بچتا ہوا اس خالق کون و مکان کی پناہ اور حمایت میں پناہ گزین ہو جائے۔

جب تو بِسْمِ اللّٰہِ کہے تو بِسْمِ اللّٰہِ کے شیشے میں اسی ذات مقدس کی ذات کو (جو تمام کائنات کا قیوم ہے) جلوہ افروز سمجھے اور تمام افراد کائنات کو اسی قیوم کے فیض مطلق کی قوت سے قائم سمجھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں حق تعالیٰ سبحانہ کے انعام کے فیض، اس کی بخشش و عنایت کے فضل اور جود و کرم کو آنکھوں کے جداول (چھوٹی نہروں) میں جاری اور ساری دیکھے۔

جب تو الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم پڑھے تو پڑھتے وقت جمالی مہربانیوں کی بارش کو عمومی طور پر اور کمالیت کے آثار کو خصوصی طور پر تمام مخلوقات موجودہ اور مخفیہ پر پَرتو انداز (عکس انداز) سمجھے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کے تکرار میں علویات اور سفلیات کے ساحل حقائق پر دریائے رحمت کی لہروں پر بار بار ٹکرانا جانے اور نہایت استقلال اور اطمینان سے توحید کے دریا میں اپنے خس و خاشا کی ظاہری وجود کو فناء فی البحر کر دے اور ازلیت کے دائرے کی ابتداء کو ابدیت کے نقطۂ انتہا سے ملا دے۔

مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن کے نور کا جمال عرفان کی چلمن سے جلوہ گری کرے۔ جب طالب صادق اس حالت میں محو ہو جاتا ہے تو توجہ قلبی اور شوق دلی کا جذبہ طالب کو نہایت نیاز مندی کے جذبے کے ساتھ آستانِ حق پر سجدہ ریز کر دیتا ہے اور آداب عبودیت اور صدق اس کے گلے میں ربانی عنایتوں کے پھولوں کا ہار ہو کر پڑ جاتی ہیں۔ اس صورت جاذبہ اور حالت کاشفہ میں: اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی خلعت اس کو مل جاتی ہے اور جب عابد کی ہستی کو ذات الٰہی کی چمک معبودیت کے انوار میں محو کر دیتی ہے تو وہ فانی دنیا کو چھوڑ کر حیات جاودانی کے چشمے میں قدم رکھ لیتا ہے اور اس مالک الملوک کے سوا اور کسی

طرف دھیان نہیں کرتا۔ اس مالک کو ناصر اور معین سمجھتا ہے اور نہایت دلی خلوص اور سچی ارادت سے گڑ گڑا کر وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن پڑھتا ہے۔ وہ آئینہ ارادت فَاسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ (سوتو پکار جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ ھود:112) میں خواہشاتِ باطلہ، خیالاتِ فاسدہ اور خیالاتِ بے ہودہ کے تصورات کو راہِ صواب کا غبار اور راہِ ہدایت کا خار سمجھتا ہے اور دوزخی درکات (دوزخ کے مختلف درجوں) کا ایندھن خیال کرتا ہے۔ اس کے بعد طالب مولیٰ زبانِ اخلاص سے بتائید ربانی اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم صدق دل اور نورِ قلب سے پڑھتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کا نام معرکہ استقامت کے دلیروں اور منازل کرامت کے بہادروں کے دفتر میں جو بارگاہِ نبوت کے سردار اور میدانِ ولایت کے تاجدار ہیں ان میں لکھا جائے اور وہ فضلِ ربانی سے لکھا جاتا ہے۔ اس وقت حسبِ معمول اس کی زبان دل کے موافق و مطابق ہوکر صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ پڑھتی ہے۔ جب وہ عین صدق اور چشم یقین سے دیکھتا ہے کہ وہ لوگ جو بساطِ قرب سے مہجور تھے اور گردنیں خواہشاتِ باطلہ سے مجبور تھیں غیرتِ الٰہی کی تجلی نے ان کے فضول اور بے ہودہ خرمنوں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے اور غیرت کے بچکولوں نے عرصہ کرامت اور تعظیم کے مطرودوں (مردودوں) کو لنگڑا اور اپاہج کر دیا ہے تو خوفِ الٰہی سے کانپتا اور لرزتا ہوا خلوص و عقیدت اور ارادت سے وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْن پڑھتا ہے۔

جب سالک مقامِ خوف سے مقامِ حیرت پر پہنچتا ہے اور اسی ہیبت اور حیرت میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتا ہے تو آقا اپنے بندے کو عجز و زاری میں دیکھ کر از راہِ لطف و کرم معرفت بخشتا ہے اور اسرار کے خزانے سے موانع کی مہر کو دور کر دیتا ہے تو بندہ گنجِ عرفان کی ابدی اور سرمدی دولت کے حقائق سے اپنا دامن بھر کے رکوع و سجود میں ہمہ تن گوش ہو کر حق تعالیٰ سبحانہ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔

جب سالک کو نماز میں مقامِ قرب حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اس وقت اس کی تشنگی میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون بے سکونی اور آرام بے آرامی ہو جاتی ہے تاوقتیکہ لقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ اس لیے مومن کی معراج نماز میں ہے۔

نماز کا عہدہ بڑا ابزرگ ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہو سکے تو خلاصی پا جاتا ہے، نہیں تو شرمندہ رہتا ہے اور یہ چہرہ کسی کو نہیں دکھلا سکتا۔

حق تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید و تشدید نہیں کی جیسی کہ نماز کے بارے میں کی ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے قرآن مجید میں قریباً سات سو مقامات پر نصیحت فرمائی ہے کہ نماز قائم کرو۔

نماز ایک امانت ہے جو کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے بندوں کے سپرد کی ہے۔ پس بندوں پر واجب ہے کہ اس امانت میں کسی بھی قسم کی خیانت نہ کریں۔

جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں۔

نماز ادا کرتے وقت اس کے آداب کا ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

نماز دراصل یہ ہے کہ خشوع و خضوع کی ساتھ ادا کی جائے اور رکوع و سجود کو کماحقہ بجالائے اور ارکان نماز اچھی طرح سلیقے سے ادا کیے جائیں جیسا کہ حق ہے ادا کرنے کا۔

اسلام اور دین کے لیے نماز بمنزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض وسنت اور رکوع وسجود میں خلل آئے گا تو حقیقت میں اس کے اسلام اور دین میں خلل پیدا ہو جائے گا اور دین میں خلل سے دنیا و آخرت کی تباہی ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی بندگی میں جو کوتاہی کرتے ہیں ان پر صد لاکھ افسوس ہے۔

روزانہ ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کا فریضہ ادا نہیں کرتا وہ حق تعالیٰ کی بخشش سے دور ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ جو شخص حضرت محمد رسول ﷺ کی ذات اطہر کی سنت ترک کرتا ہے وہ حضور ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاتا ہے۔

نماز دین کا ستون ہے، جنت کی کنجی ہے، نماز مومن کی معراج ہے اور بندے کے لیے پروردگار سے ہم کلامی کا ذریعہ ہے۔ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ (دل کی توجہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی) حدیث پاک میں قرب قیامت کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی مگر ان کے دل اللہ کی یاد سے خالی ہوں گے۔ اسی طرح کی نمازوں کے متعلق حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ وہ نمازی کے منہ پر واپس ماردی جاتی ہیں۔ نماز تو سب پڑھتے ہیں مگر ہر شخص کو اس کے خشوع وخضوع کے مطابق اجر ملتا ہے۔ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ سونا ہو، لوہا ہو یا مٹی ہو، وزن میں تو سب برابر ہوں مگر قیمت ایک سی نہیں ہو سکتی۔ اللہ والوں کی نماز پر اگر سونے کا بھاؤ لگتا ہے تو عام صالحین کی نماز پر لوہے کا بھاؤ لگتا ہے جبکہ غافلین کی نماز کو مٹی کے بھاؤ بھی قبول نہیں کرتے۔

جب لوگ نماز اچھی طرح اور ارکان نماز کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اس وقت اس نماز سے نور نکلتا ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کرو اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگو کیونکہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا ہے۔ لیکن جو لوگ ارکان نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے، جب ان کی نماز فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے منہ پر دے مارو۔ پھر نماز زبانِ حال سے کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا خدا تجھے بھی ضائع کرے۔

قیامت کے دن مومن سے نماز اور فریضے کی بابت سوال ہوگا۔ اگر عہدہ برآ ہوگا تو بہتر ہے نہیں تو وہیں سے دوزخ بھیج دیا جائے گا۔

❋❋❋❋❋

روزہ

حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے کہ جو نیکی بندہ سے صادر ہوتی ہے اس کی جزا دس گنا دی جاتی ہے اور بعض آدمیوں کو ان کی نیت اور اخلاص کی برکت سے اس عمل کی جزا سات سو گنا دی جائے گی مگر روزہ کی جزا ہم اپنے ہاتھ سے دیں گے اور وہ بدلہ بے انتہا ہوگا۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی دوستی اس عمل سے پیدا ہوتی ہے کہ جن اشیاء کو حق تعالیٰ دشمن جانتا ہے ان سے دشمنی کی جائے مثلاً دنیا و نفس۔

اہل سلوک نفس کے لیے سونا، اور نفس کے لیے بولنا گناہ کبیرہ خیال کرتے ہیں۔

شہوات کی قوت روزہ ہی سے ٹوٹتی ہے۔

مومن کے باطن کو زیادہ نورانیت بخشنے والی چیز روزہ کی عبادت کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

روزہ شیطانی راہگزروں کے لیے مضبوط روک ہے، دوزخ کی آگ کے لیے ڈھال ہے اور نفس کشی کے لیے تیز تلوار ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ روزہ دار کے منہ کی خوشبو حق تعالیٰ سبحانہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

ماہ رمضان المبارک کے باضابطہ روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر از روئے شریعت فرض ہیں۔

روزے کے معنی اپنے تمام جسم اور جملہ حواس کو خلافِ شرع امور کے علاوہ کھانے پینے اور مجامعت وغیرہ سے باز رکھنا ہے۔

محض کھانے پینے سے باز رہنا اور صوم کے آداب و شرائط کا کوئی لحاظ نہ کرنا، روزہ نہیں۔

روزے کا اصل مقصد انضباطِ نفس اور حیوانی خواہشوں کو مغلوب کرنا ہے۔ طریقت و سلوک میں روزے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اہلِ راز حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی خاطر بحالتِ مراقبہ چالیس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اس سے ان کی محبت میں صفائی اور روح میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔

توبۃ النصوح یہ ہے: اول، کم کھانا روزے کے لیے۔ دوم: کم سونا، طاعت کے لیے۔ سوئم: کم بولنا، دعا کے لیے۔ پہلے عمل سے خوف اور دوسرے اور تیسرے عمل سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ پس خوف کے ضمن میں گناہ کا ترک ہے تا کہ آگ سے نجات حاصل ہو اور رجاء کے ضمن میں طاعت کرنا ہے تا کہ قربِ حق حاصل ہو اور ابدی زندگی حاصل کر سکے اور محبت کے ضمن میں فکروں کا اجتہاد کرنا ہے تا کہ رضا حاصل ہو اور محبت میں عارف وہ ہے جو ذکرِ حق کے سوا کسی شے کو بھی دوست نہ رکھے۔

سعادت دینی کا طالب جب تک سینے کے میدان کو (جو فرشتوں اور الہاماتِ ربانی کے نزول کا مقام ہے) وساوسِ شیطانی کی تاریکیوں اور شہوات نفسانی کی پلیدیوں سے روزے اور شب بیداری و عبادت کے ذریعے سے صاف نہ کرے، اس وقت تک اسرارِ الٰہی کے انوار کی تجلیات کی جلوہ پذیری کے قابل نہیں ہوتا۔

سب سے بہتر وقت وہ ہے جب کہ دل میں کوئی وسوسہ یا خیال نہ ہو اور لوگوں سے رہائی حاصل ہو۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ اگر بنی آدم کے دل پر شیطان گھیرا نہ ڈالے تو انسان آسمانی فرشتوں کو کھلم کھلا دیکھ سکتا ہے۔

جب روزے دار کی صفات مجاہدے کے بوتے (برتن جس میں سونے چاندی کو پگھلایا جاتا ہے) میں پگھل کر روزے کی برکت سے صاف ہو جاتی ہیں اور کھانے پینے کی جدائی سے روزے دار کی شہوانی پلیدیاں رفع ہو جاتی ہیں اور بھوک کی آگ مومن کے عودی وجود کو جلا دیتی ہے اور ریاضتوں کی انگیٹھی میں عطریہ مہکیں اٹھ کر دماغوں کو معطر کر دیتی ہیں تو وہ شخص دربارِ الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے اور جاہ وجلال اور عزت اور اقبال کی کرسی پر متمکن ہو جاتا ہے۔

روزہ ایسی عبادت ہے جس کی تاثیر سے اہل محبت کا دل شہوات کے زنگار سے بالکل صاف ہو جاتا ہے اور اسباب کے جھمیلوں سے طبیعت آزاد ہو جاتی ہے۔ اس طرح سالک اوصاف الٰہی سے متصف ہو کر انتہائی درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ روزہ دار کی حالت کو حق تعالیٰ سبحانہ عالم علوی کے رہنے والوں کو دکھاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس روزہ دار پر مجھے فخر ہے جس نے تزکیہ نفس کیا اور جوانی کو عبادت میں گزار دیا۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ جو ظاہری اور باطنی طور پر روزہ دار ہوتا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ سبحانہ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! میرے اس بندے کو دیکھو میں نے اس کو کھانے پینے کا محتاج بنایا تھا اور واقعی اس کی زیست کا مدار بھی اسی پر ہے۔ میں نے اسے چند در چند شہوات میں مبتلا کیا تھا۔ اس نے صرف میرے حکم پر ان تمام خواہشات کو چھوڑ دیا اور میرے حکم کی اطاعت پر کمر بستہ اور دست بستہ کھڑا ہوا ہے۔ تم گواہ رہو میں اس سے نہایت ہی خوش ہوں۔

روزے کی یہ خاصیت ہے کہ ان شیطانوں کے راستے، جو اس کی سعادت کے لیے سخت رکاوٹ ڈالتے ہیں، بند کر دیتا ہے اور نفسِ امارہ کے سر کو (جو دین کا جانی دشمن ہے) بھوک اور پیاس کی تلوار سے کچل ڈالتا ہے۔ شہوات کی قوتوں کو (جو نورِ عقل لیے خول ہے) ریاضت کی قوت سے تابع کر لیتا ہے اور دل کو مجاہدے کی سان پر چڑھا کر قابل اور لائق بنا دیتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے جو حکیم کامل ہے اپنی حکمتِ کاملہ سے انسان کے وجود میں دو قسم کا ادراک مرکوز کیا ہے۔ ایک کو ادراک ظاہری کہتے ہیں جس کا عمل درآمد حواس خمسہ ظاہری (سننا، چکھنا، دیکھنا، سونگھنا، چھونا) کے متعلق ہے۔ یہ ادراک عناصرِ اربعہ (آگ، ہوا، پانی اور مٹی) کا نتیجہ ہے۔

دوسرے کو ادراک معنوی (قوائے قلبی، عقلی، سری، روحی، خفی) سے تعبیر کیا جاتا ہے جس سے حقائق کا القا ہے۔ ان قوتوں میں سے ہر ایک کو اپنے مدرکہ (اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے والی قوت) کے ذریعے لذت یا درد پیدا ہوتا ہے اور عالم معنوی کا وہ بیکراں بحر ہے جس کے مقابلے میں عالم ظاہری کا بحر ایک قطرہ سے بھی کم ہے۔ جیسا کہ عالم صوری کو عالم معنوی کے مقابلہ میں خفیف سی نسبت پائی جاتی ہے، ایسا ہی اِس عالم کے دردوں کو اُس عالم کے دردوں سے نسبت ہے۔

قوت باصرہ کو صورتوں اور رنگوں کے حسن اور قبح کو دیکھنے سے لذت یا درد پیدا ہوتا ہے۔

قوت سامعہ کو آوازوں کے سُر یا شور سے لذت و درد پیدا ہوتا ہے یا گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے۔

قوت شامہ خوشبو اور بدبو سے متاثر ہوتی ہے وعلی ہذا القیاس۔ قوائے معنوی کی لذات اور آلام کا موثر ہونا اسی قسم سے ہے۔ چونکہ قلب اور روح قوائے معنوی سے ہیں اور اسرار الٰہی کے بھید ہیں، اس لیے ان کے وسیلے سے جو کچھ بارگاہ الٰہی میں قبولیت پاتا ہے، ان قویٰ کے لیے لذت کا باعث ہوتا ہے۔

پانچ چیزیں روزے کی نورانیت ختم کر دیتی ہیں۔: جھوٹ، گلہ، سخن چینی، جھوٹی قسم اور نامحرم کو دیکھنا۔

زکوٰۃ و صدقہ

عام لوگوں کی زکوٰۃ سو (۱۰۰) درہم میں سے ڈھائی درہم ہے۔

خاص لوگوں کی زکوٰۃ سب کا سب مال راہِ حق میں خرچ کر دینا ہے۔

صادق المحبت وہ ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کی ملکیت ہو۔

وفا کا تقاضا یہی ہے کہ حقیقی محبوب کا محبّ غیر محبوب کا ذخیرہ نہ بناوے۔ ہاں ذخیرہ وہ کرے جس میں محبوبِ حقیقی کا قرب ہو جائے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ جو چیز محبوب ہوتی ہے وہی معبود بن جاتی ہے۔

بخل ان بیماریوں سے ہے جو مہلک ہیں۔ اس لیے نہایت ہی ضروری ہے کہ دل کو بخل کی خباثت اور سیاہی سے پاک کیا جائے کیونکہ یہ مہلک مرض ایمان کو اور آدمی کو تباہ کرنے والا ہے۔

چونکہ بخل کی بیماری معنوی بیماری ہے، اس لیے اس کی تاثیر قیامت کے دن ظاہر ہو گی اور یہ اپنے مریض کو ہلاکت ابدی میں گرفتار کر کے دوزخ میں ڈال دے گی۔ اس لیے اس بیماری کا علاج لازمی امر ہے۔

مالی نعمت کا شکر زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ دردناک عذاب کے لیے تیار رہیں۔ ان کا مال اور دولت اژدہا بن کر ان کے گلے کا طوق بن جائے گا اور ہر وقت انھیں ڈستا رہے گا۔

نماز کے دوسرے درجے پر زکوٰۃ ہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ نے کلام پاک میں نماز کو جملہ عبادات سے مقدم رکھا ہے اور جس جگہ نماز کا ذکر آیا ہے، زکوٰۃ کا ذکر بھی ساتھ ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔۔۔۔(سورۃ البقرہ:43)

کلمہ شہادت جب منہ سے نکلتا ہے تو توحید کا التزام پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ معبود برحق کی وحدانیت کا اثبات اس میں پایا جاتا ہے۔ آزمائش سے محبت کے مراتب متعین ہوتے ہیں۔ ذاتِ عالی مقدس نے حکمتِ کاملہ سے مالِ فانی کو خلقت کا محبوب بنا دیا اور اس کے خرچ کرنے کا حکم صادر فرمایا تاکہ تھوڑے سے امتحان سے معلوم ہو جائے کہ صادق المحبت کون ہے اور کاذب کون۔

بخل کی بیماری کا علاج یہی ہے کہ جس قدر مال تمھیں ملے، اسے حق تعالیٰ سبحانہ کی راہ میں لٹا دو اور جو بھی چیز تمھاری ملکیت میں آئے، اسے بھی راہِ حق پر قربان کر دو تاکہ اس مرض کے خطرات سے تمھیں خلاصی نصیب ہو۔ خبردار! شیطان تمھیں فقر سے ڈراتا ہے اور بخل کا حکم دیتا ہے۔

زمانے کے حوادثات کا سبب زکوٰۃ وصدقہ ادا کرنے سے رک جانا ہے۔

زکوٰۃ کے معنی ہیں نمو اور تزکیہ۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے جو صاحب نصاب پر واجب ہے۔ اس کا مقصد شکرِ نعمت اور تزکیہ مال ہے۔

اہل طریقت کے نزدیک جس طرح ظاہری نعمتوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس طرح باطنی نعمتوں میں بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ باطنی اور روحانی نعمتوں کی زکوٰۃ حفظ توحید، کثرتِ ذکر الٰہی اور تزکیہ نفس ہے۔

جو لوگ میدان ہمت کے شہسوار اور اپنے محبوب کے دروازہ کے خاکسار ہیں، وہ تو محبوبانِ مجازی کو محبوب حقیقی پر قربان کر دینا ایک ادنیٰ بات سمجھتے ہیں اور باوصف ایثار نفسی اور بدنی و مالی کے اپنے آپ کو عاجز اور بے کس خیال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُو الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ..... (سورۃ ال عمران: 92)

ہرگز بھلائی کو تم نہ پاؤ گے جب تک تم حلال اور طیب چیزوں کو (جن کو تم پیارا اور عزیز سمجھتے ہو) اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

طالبِ حق حکمِ الٰہی پر عمل کرنا عین سعادت اور رضاءِ الٰہی جانتے ہیں اور مال واسباب سے دل ہٹا کر راہ حق میں خرچ کر کے خوش ہوتے ہیں۔ موقع کو غنیمت اور نہایت ہی عزیز سمجھتے ہیں اور وہ اپنی ملکیت میں اس چیز کو جانتے ہیں جو راہ حق میں خرچ ہو جائے۔ بلکہ جان قربان کرنے سے بھی فرق نہیں کرتے اور اپنے سر کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں کہ محبوب کا تیر ان کو شہید کرے۔

حق تعالیٰ سبحانہ قیامت کے دن انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے شخص کے اور دوزخ کے مابین سات پردے حائل کر دے گا جس میں سے ہر ایک پردہ پانچ سو (۵۰۰) سال کی راہ کے برابر ہوگا۔

حق تو یہ ہے کہ اگر اس کی دوستی میں دونوں جہاں بھی خرچ کر دیں تو تھوڑا ہے۔

جو لوگ میدانِ تحقیق کے صادق اور یار کے غمزوں، کنائیوں اور اشاروں کے عاشق ہیں اور اقرار توحید میں کامل اور بازار وحدانیت میں مکمل بلکہ اکمل ہیں ان کا عمل تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب اپنے ذمے پر قائم ہی نہیں ہونے دیتے اور اپنا مال جمع ہی نہیں کرتے کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو جائے۔ جو کچھ ان کے ہاتھ میں آ گیا وہ بلا تامل اور بلا توقف راہ حق میں نثار کر دیتے ہیں اور عاجزوں، بے کسوں اور خاکساروں کی جماعت میں رہنا ہی باعث عزت سمجھتے ہیں اور محبوب ازلی اور مطلوب لم یزلی کی عاجزانہ دعا اَللّٰھُمَّ أَحْیِنِیْ مِسْکِیناً، وَأَمِتْنِیْ مِسْکِیناً، وَاحْشُرْنِیْ فِی زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ پر دل و جان سے اور دین و ایمان سے پابند ہوتے ہیں۔

جو لوگ کہ صرف ضروری چیزوں پر اکتفا کرتے ہیں اور کسی کا نقصان نہیں کرتے، وہ ادنیٰ درجے پہ فائز ہیں۔ حق تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے اپنی عنایت سے ان کو مال کی جمع آوری کی عادت نہیں ڈالی اور نہ ہی ان کے نفس کی لگام کو بخل کی طرف موڑا۔ چونکہ ان کی محبت ابھی ضعیف ہے لہٰذا، صرف اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ دراصل جو واقعات اُن سے سرزد ہوتے ہیں یہ ان کے اس اعتقاد کے ضعف کو ظاہر کرتے ہیں جو آخرت کے متعلق ہونے چاہییں۔ یہ درجہ عام مسلمانوں کا ہے۔

متوسطین وہ لوگ ہیں جو محبت کے میدان میں صادق ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر وفا کا حوصلہ پورا نہیں رکھتے۔ مال حلال کا ذخیرہ صرف فراغِ عبادت اور طاعت کے واسطے رکھ لیتے ہیں۔ اس کی حفاظت میں اپنے ہاتھ کو صرف امانت کا ہاتھ ہی سمجھتے ہیں۔ اچھے اچھے موقعوں کے متلاشی رہتے ہیں اور صاحبان حاجت کی تلاش رکھتے ہیں۔ جب کسی حاجت مند کو پاتے ہیں تو فوراً اس کی حاجت روائی پر کمر باندھتے ہیں بلکہ دلوں کے دروازوں پر جاگزیں رہتے ہیں۔ صدقہ اور خیرات کے موقع کو غنیمت جانتے ہیں۔ صرف مقررہ زکوٰۃ کے ادا کرنے ہی پر ختم نہیں کرتے بلکہ ہر دم کمر بستہ اور تیار رہتے ہیں۔

درویش کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب ان کے پاس کوئی سائل آئے تو اسے محروم نہ کیا جائے۔ اگر بھوکا ہے تو اسے کھانا کھلایا جائے۔ اگر ننگا ہے تو اسے کپڑے پہنائے جائیں اور اس سے حسنِ اخلاق سے پیش آیا جائے اور ہر طرح سے دل جوئی کی جائے۔ دلجوئی سے مراد صبر اور توکل کی تلقین ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ بخیل، بدخواور بدخلق لوگ بہشت میں داخل نہ ہوں گے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ بخل سے پرہیز کرو کیونکہ بخل ہی نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کیا ہے جو تم سے پہلے تھے اور اسی بخل نے ان کو خون ناحق گرانے پر اور محرمات کو حلال سمجھنے پر آمادہ کیا اور ان کی الٹی سمجھ ہی ان کے لیے دوزخ کا ایندھن ہوگئی۔

زکوٰۃ و صدقہ ادا کرتے وقت دل میں ریا کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ریا سب بلاؤں سے بڑی بلا ہے۔ اس لیے کہ یہ عمل کے ضائع ہونے کے واسطے سخت وبا ہے۔

سخی کی سخاوت کسی ذاتی غرض کے لیے ممکن ہے، لیکن اہل طریقت بے لوث ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بیگانے کی کوئی تمیز ملحوظ نہیں رکھتے۔ یہ جود و عطا صوفیا کرام کی ایک صفت ہے، اختیاری صورت میں ہو یا اضطراری صورت میں۔ وہ اپنا نفس، عزت، اولاد اور املاک محبوب حقیقی کی راہ میں بے غرض خرچ کرتے ہیں کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی محبت سے غنی ہوتے ہیں۔

جو لوگ مال کو حق تعالیٰ سبحانہ کی راہ میں کوڑیوں کی طرح بے قدر اور بے مقدار سمجھ کر قربان کرتے ہیں اور حق تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی کو مدنظر رکھتے ہیں وہی رستگار (نجات پانے والے) ہوں گے۔

مالی نعمت کا شکر زکوٰۃ ادا کرنا اور رضاءِ الٰہی کے لیے صدقہ وخیرات کرنا ہے۔

دنیا کا مال دراصل آخرت کا توشہ ہے۔ فخر اور تکبر کے واسطے نہیں بنایا گیا بلکہ اللہ ہی کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے ہے۔ تمھاری ضروریات کے مطابق تم کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر جائز خرچ کرنے کا اختیار بخشا گیا ہے۔ حق تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرو اور اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی نہ مارو۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں اور ہوئے ہیں اور ہوں گے جو کہ جاہ و مال کی محبت میں اپنے ایمان کو تباہ کرتے ہیں اور کریں گے۔ بچو! کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے جو نیکی سے روکتا ہے اور بُرے کاموں کی رغبت دلاتا ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ جب اپنے بندوں کو مال واسباب عنایت فرماتا ہے اور وہ دولت مند بندے ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو عیال دار ہیں اور نہایت محتاج اور عاجز ہیں، فقر و فاقہ میں گزارہ کر رہے ہیں، سقیم الحالی (نہایت مفلسی، کمزوری و بیماری کی حالت) اور تنگ دستی میں گرفتار ہیں اور ان دولت مندوں کو ان مفلوک الحال (تباہ حال) لوگوں پر ترس اور رحم نہیں آتا

اور وہ خدا داد نعمت سے دستگیری نہیں کرتے، تو ان سے زیادہ بد بخت اور کوئی نہیں ہے۔ انھوں نے سنگ دلی اور بے رحمی سے کام لیا اور وہ خشم جباری (عتابِ الٰہی) اور غضب الٰہی کی گرفتاری کے سزاوار ہو گئے۔

ربِ الکعبہ کی قسم وہ دولت مند جوز کوٰۃ ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں دولت کو خیرات کرنے میں لیت ولعل کرتے ہیں وہ لوگ بہت ہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ ایسے لوگ تعداد میں کم ہیں جو اپنے مال کو آخرت کا توشہ اور زادِراہِ عقبٰی بنائیں۔

طالب آخرت کو چاہیے کہ بصد شوق اور اشتیاق زکوٰۃ ادا کرے اور شیطانی وساوس سے ایمن (محفوظ) اور بے فکر ہو جائے۔

بندہ، اس کا گھر بار اور اس کا مال واسباب سب کے سب حوادثات کے طوفان میں راہ گزر ہیں اور فنا ہونے والے ہیں۔

جہاں تک ممکن ہو سکے زکوٰۃ ادا کرنے میں جلدی کرنی چاہیے حال آنکہ جلدی کرنا امر معیوب ہے مگر زکوٰۃ اور جنازہ اور نکاح دختر بالغہ میں مستحسن خیال کیا گیا ہے۔ اس لیے جس قدر ممکن ہو سکے اس فریضے سے جلد سبکدوش ہو جاؤ۔ اس میں فلاح ہے۔ فرمانِ الٰہی کے ماننے میں عزم بالجزم (پکے ارادے) سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں رغبت فرمانِ الٰہی کی بجا آوری اور صحتِ ایمان پر دلالت کرتی ہے۔

راحت اعمالِ ثقلین (دونوں جہان) سے بہت زیادہ ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ مومن کے دل میں خوشی کا پیدا کرنا اعمالِ ثقلین کے برابر ہے۔

زکوٰۃ وصدقہ دینے میں اس بات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس کو بھی دیا جائے باادب پیش کیا جائے۔ اس پر احسان نہ جتلایا جائے۔ اس کو کم تر نہ سمجھا جائے۔ اس کی دل آزاری نہ کی جائے۔ بلکہ اس کا شکر گزار ہو کیونکہ باادب پیش کرنا حق کے زینوں میں سے ایک زینہ ہے۔

حق تعالیٰ نے زکوٰۃ وصدقہ کے ادا کرنے کا حکم دے کر اپنے بندوں کو اپنی رحمتِ کاملہ، رحمتِ عامہ اور فضلِ کاملہ سے مال واسباب کی حفاظت کا طریقہ سمجھا دیا ہے اور حفاظت کا خود وعدہ فرما دیا۔

تمام جہان اور تمام مال واسباب کا مالکِ حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں جس کی مستقلہ ملکیت ہو اور جس کو لوگ اپنے مملوک جانتے ہیں وہ یا تو عاریتی ہے یا امانتی ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے دولت مندوں کی آزمائش کے لیے ان کو مال واسباب عطا فرمائے ہیں اور مستحقوں کے ذریعے سے اپنی وہ امانت طلب کرتا ہے۔ جو لوگ اس امانت سے عہدہ برآ ہوتے ہیں ان کے لیے نعمتیں وافر کر دی جاتی ہیں اور جو لوگ عہدہ برآ نہیں ہوتے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی راہ میں جو چیز دی جائے صاف ستھری، عمدہ اور پاک ہو۔

مستحق کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو پوشیدہ طور پر ادا کرنا افضل ہے۔

جو صدقہ یا زکوٰۃ کو ظاہر طور پر لینا منظور نہیں کرتا اس کو بہر حال پوشیدہ طور پر ہی دینا چاہیے۔

صدقہ دیتے وقت جتنا اخفا سے کام لیا جائے، افضل ہے۔ بلکہ بمنزلہ حصار کے ہے۔ اور وہ ایسا قلعہ ہے جس میں ریا اور جاہ طلبی کی آفات کو دخل ہی نہیں ہو سکتا۔ دینے والے کا اخلاص قبولیت کے دروازے کی کلید ہے۔

صدقہ افضل وہ ہے جو تن درستی کی حالت میں دیا جائے اور خصوصاً جب نفس بخل کر رہا ہو اور ضروریات سے ڈرا رہا ہو اسی حالت میں صدقہ دیا جائے۔

بخل وہ ہے کہ دم نکلتے تک اس مال سے الگ نہ ہو اور مرتے وقت مجبوراً وصیت پر کمر باندھ لے کہ اتنا فلانے کو دے دینا اور اتنا فلانے کو۔ ایسی مجبوری کا صدقہ مفید نہیں ہوتا۔ افسوس کہ بعض نامراد اتنے سے بھی محروم رہ جاتے ہیں اور اپنے ساتھ قبر میں صرف حسرت لے جاتے ہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جو بھی صدقہ دیا جاتا ہے، سائل کے ہاتھ میں آنے سے پہلے وہ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔

جس قدر بھی زکوٰۃ یا صدقہ دیا جائے اس کی مقدار کو کمتر سمجھا جائے اور یہ خیال رکھنا لازم ہے کہ شاید کوئی ایسا مال بھی ہو جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو۔

زکوٰۃ و صدقہ کی مقدار کو کثیر سمجھنے سے طبیعت میں عُجب پیدا ہوتا ہے جو کہ اعمال صالحہ کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

زکوٰۃ و صدقہ ظاہری طور پر دینا ان لوگوں کے لیے نقصان دہ نہیں جو اپنے آپ کو ریا کے شائبے سے بھی محفوظ رکھ چکے ہوں اور سالہا سال سے نفسِ امارہ کو ریاضت کے بوتے میں پگھلا چکے ہوں۔ دل کے شیشے کو صفاتِ مزمومہ کے غبار سے صاف کر چکے ہوں اور خلقت کی تعریف اور عدم تعریف کا وجود ان کے ترازوِ خیال میں ایک ہی وزن رکھتا ہو۔ عجب اور ریا کے عوارض سے بالکل سالم و صحیح ہوں اور حق تعالیٰ نے بھی ان کے وجود کو صرف لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہی پیدا کیا ہے۔ اگر مذکورہ بالا صفات والا زکوٰۃ اور صدقہ دینے میں اظہار کرے تو نورانیت کے سوا اس سے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس سے اور لوگوں میں ترغیب پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ عام لوگ جب ان امور میں ان کی اقتدا کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس طرح انھیں ہزار گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔

ہر دولت مند پر واجب ہے کہ زکوٰۃ دینے کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرے جو کہ متقی، صالح، پرہیزگار اور دین دار ہوں کیونکہ یہ افضل ترین ہے۔

زکوٰۃ لینے کا مستحق وہ شخص سمجھا جائے جس میں یہ پانچ اوصاف موجود ہوں: اول تقویٰ، دوم علم، سوئم عفت، چہارم خودداری اور پنجم قرابت۔ ان لوگوں کو زکوٰۃ و صدقہ دینا افضل ہے۔

اول تقویٰ:۔ زکوٰۃ فرض ہونے کا اصل مطلب ہی یہ ہے کہ اربابِ قلوب کے فاقے کو روکا جائے اور اہل اللہ کو خرچ اخراجات کے دھندوں سے سبکدوش کیا جائے تاکہ وہ تمام اوقات کو ذکر اذکار اور ورد اوراد (عبادات) میں خرچ کریں اور اپنے ظاہر و باطن کو عبادات کے لیے مستعد رکھیں بلکہ وقف کر دیں اور کسب و اکتساب دینوی تجارت اور آمد و رفت کے دروازے تیغہ (بند) کر دیں۔

دوم علم:۔ عالم باعمل، اہل معرفت، اہل محبت، اہلِ ادب، یہ لوگ کسی سے بھی سوال نہیں کرتے۔ اس لیے ان کو تلاش کر کے زکوٰۃ و صدقہ (خیرات) باادب پیش کرے اور ان کا شکر گزار رہو۔

سوئم عفت (یعنی پاکدامنی):۔ عفیف اس کو کہتے ہیں جو کہ محض حق تعالیٰ سبحانہ سے حیا کی وجہ سے کسی سے بھی اپنے

فقر و فاقہ کی شکایت نہیں کرتے۔اپنے حالات کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتے ہیں ایسے مرد قوی دل اور باحوصلہ ہوتے ہیں کہ بارگاہ رب العزت میں بھی اپنی حاجات کا اظہار نہیں کرتے۔

چہارم خودداری:۔ بعض ایسے لوگ ہیں کہ زمانے کی گردش کے باعث یا کثرتِ عیال و اطفال کے خرچ کے سبب یا مختلف بیماریوں کی وجہ سے یا اسباب کی عدم موجودگی کی صورت میں تنگ دست ہو جاتے ہیں۔تنگی اُٹھاتے ہیں، سختیاں جھیلتے ہیں مگر حق تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے التجا نہیں کرتے۔ان لوگوں کو خدا ترس ہی پہچان سکتا ہے۔عام لوگ نہیں پہچان سکتے۔

پنجم قرابت:۔ زکوٰۃ و صدقہ ادا کرتے وقت یہ نہایت ضروری امر ہے کہ قریبی حق داروں کا خیال مقدم رہے۔قریبی رشتے داروں اور ہمسایوں میں کوئی حق دار ہو تو اس کو محروم نہ رکھا جائے اگر چہ ان میں متذکرہ بالا اوصاف نہ بھی ہوں کیونکہ حقِ رحم اور حقِ جوار کو دینا چار گنا زیادہ ثواب کا مستحق کر دیتا ہے۔

❁❁❁❁❁

حج

عینی فرائض میں سے ایک فرض حج ہے جو صاحبِ استطاعت مسلمان بالغ اور صحیح العقل پر واجب ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ حج سے مقصود محض بیت اللہ شریف کا دیدار اور پتھروں کی زیارت نہیں بلکہ اس سے مقصود صاحبِ خانہ کی حضوری اور مشاہدہ دل کو حرص دُنیوی اور خیالات باطلہ سے پاک کرنا اور اپنے نفس کو منیٰ کے میدان میں قربان کر کے ذات الٰہی کے لیے خالص ہونا ہے۔

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے وقت اگر تم نے جمال حق کا پرتو نہیں دیکھا تو گویا تم حاضر ہی نہیں ہوئے اور تمھارا حج ہی نہیں ہوا۔ بلکہ تمھیں کچھ حاصل ہی نہیں ہوا۔

جس وقت تم حج کا ارادہ کرو تو لازم ہے کہ گناہوں کو تج دینے کا بھی ارادہ کرو اور اگر ایسا نہیں کیا تو گویا تم نے حج کا ارادہ ہی نہیں کیا۔

حج کے سفر میں جب تم منزلیں طے کرو تو مقاماتِ حق بھی ساتھ ساتھ طے کرو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو تم نے سفرِ حج کی منزلیں طے ہی نہیں کیں۔

جب تم روزمرہ کا لباس اتار کر احرام باندھو تو صفات بشریہ سے بھی مفارقت ضروری ہے اگر ایسا نہیں کیا تو تم نے احرام باندھا ہی نہیں۔

جب تم میدان عرفات میں کھڑے ہو جاؤ اور تمھیں معرفتِ حق حاصل نہیں ہوتی تو تم نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں۔

جب تم مزدلفہ جاؤ تو اپنی نفسانی خواہش سے ہمیشہ کے لیے دست کش ہو کر جاؤ۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو تم مزدلفہ گئے ہی نہیں۔

بیت اللہ شریف کا طواف کرتے وقت اگر تمھیں مشاہدۂ حق حاصل نہیں ہوا تو تم نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا ہی نہیں۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت اگر اس کے مرتبہ و مقام کا فہم و ادراک نہیں ہوا تو تم نے سعی کی ہی نہیں۔

منیٰ میں جب تم قربانی کرو تو اس کے ساتھ ساتھ اپنی نفسانی خواہشات بھی قربان کر دو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو تم نے قربانی نہیں کی۔

جب تم سنگریزے پھینکو تو نفسِ امارہ اور ہوا و ہوس کو بھی کچل ڈالو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو تم نے شیطان پر سنگریزے پھینکے ہی نہیں۔

حاجی تو قالب لے کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ مگر ان کو مشاہدہ حق حاصل نہیں ہوتا اور اہلِ محبت دل سے حجاب عظمت کے عرش کا طواف کرتے ہیں۔ اگر ذات حق کے سوا کسی اور شے کو دیکھ پاتے ہیں تو آہ فغاں کرتے ہیں اور وہ صرف اسی کے مشاہدہ میں مستغرق رہنا ہی پسند کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

صوفی و تصوف

تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ پر آسائش کے دروازے بند کر دو اور زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تو تسلیم و رضا کا خوگر ہو۔ ہر لمحہ راضی برضا ہو اور دوست کی طرف سے آنے والی بلاؤں کا استقبال کرنے والا ہو۔ اگر تم نے ایسا ہی کیا تو سمجھو کہ تم صوفی ہو۔

تصوف رسوم ہے نہ کہ علوم۔ یہ اہلِ محبت کے انفاس میں ہوتی ہے۔ مشائخِ طبقات کا اخلاق یہی ہے:

تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقَ اللّٰہ۔

اس واسطے کہ خلق سے باہر نکلنا نہ رسوم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی علوم سے۔

تصوف یا تو صفا سے ماخوذ ہے جس کی ضد کدورت ہے یا پھر اصحاب صفہ سے۔ اور صوفی وہ ہے جس نے اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب اور اپنے نفس کو آفتوں اور بلاؤں سے پاک صاف کر رکھا ہو۔

اسلام کی بنیاد تصوف ہے۔

تصوف نفسانی لذتوں کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔

تصوف حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے۔

تصوف نیک خصلت کا نام ہے۔ جو شخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے، وہ سب سے بہتر صوفی ہے۔

صوفی وہ ہے جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو اور جب کلام کرے تو حقائق و معارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں۔ جب خاموش رہے تو سچی درویشی اس کی خاموشی سے ظاہر ہو۔

صوفی وہ ہیں جن کے دل پر غیر حق کا گزر نہ ہو اور جن کے دل بشریت کی کدورتوں سے آزاد اور پاک ہوں اور دنیا و حُبِّ دنیا سے صاف ہوں۔ جب یہ اوصاف ان میں پائے جائیں گے تو وہ بلند مقام پائیں گے اور تمام مخلوقات کے برگزیدہ بندے کہلائیں گے اور جب کہ وہ غیر حق سے بھاگنے والے ہوں گے تو وہ مالک ہو جائیں گے نہ کہ مملوک۔

درویش و فقیر

حق تعالیٰ کے نزدیک درویش کا بہت بڑا درجہ ہے۔ کیونکہ درویش دنیا کے ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو کر قطعی طور پر حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے۔ نہ تو وہ دُنیوی مال ومتاع کے آنے سے کبھی خوش ہوتا ہے اور نہ اس کے جانے سے غمگین ہوتا ہے۔ دراصل وہ نو بہ نو الطافِ ربانی کی بدولت غنی ہوتا ہے۔

توکل یہی ہے کہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی پر بھی بھروسہ نہ کیا جائے اور نہ ہی غیر کی طرف نگاہ اُٹھے۔

متوکل حقیقت میں وہ ہے جو خلقت کی مدد اور تکلیف کی حکایت و شکایت نہ کرے۔

چار چیزیں نہایت نفیس گوہر ہیں: اول: وہ درویش جو اپنے تئیں دولت مند ظاہر کرے۔ دوم: وہ درویش جو بھوکا ہو مگر اپنے تئیں شکم سیر ظاہر کرے۔ سوئم: وہ درویش جو غم ناک ہو اور اپنے تئیں خوش ظاہر کرے۔ چہارم وہ درویش جو دشمن کا دوست دکھائی دے۔

درویش اخلاقِ نبوی ﷺ کا مکمل نمونہ ہوتا ہے۔ درویش کی امتیازی خصوصیات میں درویش کو فیاض، سخی، ہمدرد ہونا لازمی ہے۔ جو بھی سائل اس کے پاس آئے محروم نہ جائے۔ بھوکا ہو تو کھانا کھلائے۔ ننگا ہے تو کپڑا پہنائے۔ حسنِ خلق سے پیش آئے، دلجوئی کرے اور جس قدر خدمتِ خلق کر سکتا ہو، فراخدلی سے کرے۔ اے درویش! جسے بھی نعمت حاصل ہوئی خدمت سے ہوئی۔

جہان میں سب سے عمدہ بات یہ ہے کہ درویش درویش کے ساتھ یک جان اور دو قالب ہو۔ اگر اتفاق سے ایک کو دوسرے سے کوئی شکایت ہو تو اسے صاف صاف کہہ دے کہ مجھے تم سے یہ شکایت ہے تا کہ دل کدورت اور حسد و بغض سے پاک رہے۔ کیونکہ درویش کا دل کینہ، حسد اور بغض سے پاک ہوتا ہے۔

سب سے بُری چیز یہ ہے کہ درویش درویش سے بغض رکھے اور ایک دوسرے کے تکلیف کے وقت کام نہ آئے اور ایک دوسرے سے جدا رہے۔ اگر ایسی صورت ہے تو معرفت سے خالی ہے۔

بعض درویش یہ کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی، یہ غلط ہے۔ بلکہ صاحبِ کمال تو ہر لحہ خوفِ الٰہی سے لرزتا رہتا ہے کہ کہیں دوست کی درگاہ سے دور نہ کر دیا جاؤں اور اس کی کمر تک خوفِ الٰہی سے دوہری ہوگئی ہوتی ہے۔ دوسرے جو یہ کہتے ہیں کہ عبادت کرنا اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ ہمیشہ عبادت میں سربسجود رہتے۔ باوجود کمال بندگی کے یہ ارشاد فرماتے: ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔

فقیر وہ ہے جس کا بائیں طرف کا فرشتہ آٹھ سال تک کچھ نہ لکھے۔ فقیر وہ ہے جس کا نفس ہوس اور طولِ امل سے اور دل دنیا کی جملہ مشکلات سے محفوظ ہو اور جب نہ ہو تو چپ رہے اور جب ہو تو خرچ کرے۔

سالک کے اوصاف

راہِ سلوک (راہِ حق) سے مراد شریعتِ اسلام ہے جس پر صدق اور خلوص سے گامزن ہو کر سالک (حق کا متلاشی) ذاتِ حق کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

سالک کے لیے ان پانچ اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔

اول محبت، دوم علم، سوئم حیاء، چہارم تعظیم، پنجم احسان۔

اول محبت: ۔اہل محبت کے مذہب کے بنیادی عقائد یہ پانچ اصول ہیں:

اول: ۔ ہر لمحہ ذکرِ حق میں مشغول رہنا اور ہر حال میں حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات مقدس سے راضی رہنا اور اس کی بلاؤں پر خوش رہنا اور شکر گزار رہونا۔

دوم: ۔ذکرِ حق کو بڑا جاننا۔

سوئم: ۔ماسویٰ حق تعالیٰ کے سب سے قطع تعلق کرنا۔

چہارم: ۔اپنی حالت پہ اور جو اس کے سوا ہے، سب کی حالت پر رونا۔

پنجم: ۔اپنے حال سے فانی ہو کر ہر لمحہ مشاہدۂ حق میں مستغرق رہنا اور خوفزدہ رہنا کہ کہیں دور نہ کر دیا جاؤں۔

سالک طریقت سے منزل کو عبور کرتا ہوا مثالِ مطلق تک پہنچ جاتا ہے۔ اسے لوحِ محفوظ کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے۔

سالک کے خیالِ مقید کے کئی اسباب ہیں۔

اول: ۔ یہ کہ نفس کی کامل توجہ ذاتِ حق کی طرف ہو جائے۔ بدی سے بچے تا کہ مجاہداتِ نفسانی اس کی عادت ثانیہ بن جائیں یہاں تک کہ روحانی قوتیں مضبوط ہو جائیں۔ جب نفس روحانی قوتیں قبول کرے گا تو پھر بدنی ظلمات خود بخود دور ہوتی جائیں گی۔ اس کو ارواح مجردہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اس پر وہ امور ظاہر ہوں گے جن کے باعث ارواح کو اپنی طرف جذب کر سکے گا۔ اس کی تکمیل کے بعد نفس کو پورا شہود حاصل ہو جائے گا۔

دوم: ۔سالکِ طریقت کا مزاج اعتدال پر ہو، بدن صحیح اور دماغ درست ہو۔

سوئم: ۔نفس کی کامل توجہ ذاتِ حق کی طرف ہو۔

چہارم: ۔شریعت کا پورا پابند ہو۔ غیر اللہ سے منقطع ہو۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول اور آدابِ طریقت کا پابند رہے۔

یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ جس چیز کا وجود عالم حس میں ہے، اس کا وجود عالم مثال میں بھی ہے اور اس کا عکس ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا عالم مثال ایک غیر محدود میدان ہے۔ عالم حس اس کے سامنے چھوٹا سا میدان ہے جس کو اس کی وسعت کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے کہ

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط (سورۃ البقرہ:105)

اللہ تعالیٰ مخصوص کر لیتے ہیں اپنی رحمت سے جس کو چاہیں۔

اس مقام پر پہنچنے کے بعد سالک کو اپنے مشاہدے پر پورا یقین ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ظلال سے حقائق کی طرف رجوع کرتا ہے اور خیالِ مقید میں جو کچھ دیکھتا ہے وہ گا ہے صحیح اور گا ہے غلط ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جنات کا وجود آتشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو بھڑ کنے والی آگ سے پیدا کیا۔ بعض انسان بھی اس دنیا میں اپنی صورت بدل سکتے ہیں۔ اس عالم سے جانے کے بعد ان میں زیادہ طاقت آجاتی ہے اور وہ عالم ملکوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

❀❀❀❀❀

یقین

یقین بمنزلہ نور کے ہے جس سے انسان کا قلب منور ہوتا ہے۔ پھر وہ محبوب اور متقیوں کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔
یقین کے تین درجے ہیں: ایک علم الیقین، دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔

علم الیقین:۔

علم الیقین یہ ہے کہ جو کچھ بھی موجود ہے جیسا بھی اپنی حقیقت اور اصلیت میں ہے اس کی پوری تحقیق انسان کو ایسے حاصل ہو جائے کہ اس میں سے ایک ذرہ بھر بھی کم و بیش نہ ہو سکے۔

عین الیقین:۔

عین الیقین علماء کا درجہ ہے، اس لیے کہ شرعی امور و احکام پر وہ ثابت قدم ہوتے ہیں اور یہ مجاہدہ سے ہوتا ہے۔ یہ عارفوں کا مقام ہے۔ یہ شہودِ قلبی سے حق کا مخلوق میں مشاہدہ کرنا ہے۔ جو شخص شریعت اور طریقت کا مخالف ہے اس کے واسطے اس مرتبے کا حاصل ہونا محال ہے۔

حق الیقین:۔

حق الیقین یہ ہے کہ جو کچھ جانا اور جو کچھ دیکھا اس میں خود رواں ہو جائے اس کو اصطلاح تصرف میں سریان الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی سالک ہر ایک شکل میں بدل جائے یعنی زمین میں زمین، آسمان میں آسمان، فرشتوں میں فرشتہ، پانی میں پانی، ہوا میں ہوا، غرض جو کچھ بھی موجود ہے۔ بجز اپنی ذات کے دوسرے کو نہ پائے اور خود ہر شان کے حاوی ہو کر مقام تنزیہ میں تنزیہ اور تشبیہہ میں تشبیہہ ہو جائے جیسے مطلق الوجود موجود ہے وہ مطلق وجود کی طرح ہو جائے بلکہ خاص وجود مطلق ہی رہے۔ ایسے شخص کو صاحبِ حال اور صاحبِ مقام کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ کمال ولایت کی انتہا ہے۔

اپنی روحانی قوت و توفیق کے مطابق بارگاہ الٰہی میں درجہ حاصل کرنے کا نام مقام ہے اور کسب و مجاہدہ کے بغیر محض حق تعالیٰ کے فضل سے نکات و معانی کا دل پر نزول، حال ہے۔ گویا مقام عمل کی قسم ہے اور حال حق تعالیٰ کی عطا کردہ بزرگی ہے۔

حق الیقین دوستانِ حق کی فنا کا مقام ہے۔ یہ حق کو مخلوق میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ایک کا دیدار دوسرے کے دیدار میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا اور اس لیے کہ کل موجودات سے وہ اعراض کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ سے یہ مقام خاص بندوں کو عطا ہوتا ہے۔

❁❁❁❁❁

محبت

محبت محبّ سے ماخوذ ہے اور حبہ (دانہ، بیج) کی جمع ہے۔ اس سے مراد حبِ دل یعنی لطف الٰہی کا محل ہے۔
میدانِ محبت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے محبت میں غرق اور مغلوب لوگ ہوتے ہیں۔
حق تعالیٰ سے محبت کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں۔
اول:۔ وہ لوگ جو اپنے اوپر حق تعالیٰ سبحانہ کا انعام و احسان دیکھتے ہیں تو منعم و محسن کی معیت کا تقاضا کرتے ہیں۔
دوم:۔ وہ لوگ جو سب انعامات کو محبت کے غلبہ کی وجہ سے محل حجاب میں رکھتے ہیں اور ان کا راستہ نعمتوں کے دیکھنے کی بجائے منعمِ حقیقی کی طرف ہوتا ہے۔ ان کا راستہ پہلے گروہ کے راستے سے بہت بلند ہوتا ہے۔

محبتِ حق، حق تعالیٰ سبحانہ کے راستہ کی اصل اور بنیاد ہے اور احوال و مقامات اس کی منزلیں ہیں اور جس منزل و محل میں بھی طالب ہوتا ہے۔ اس پر زوال آنا روا ہوتا ہے سوائے محبتِ حق کے کہ جب تک وہ موجود رہتی ہے، اس پر کسی حال میں زوال نہیں آتا۔

طالب صادق پر سختی اس لیے کی جاتی ہے تاکہ اسے منزلِ مقصود پر پہنچایا جائے۔ اس وقت اسے چاہیے کہ ثابت قدم رہے اور عجز و انکساری اختیار کرے۔

محبت ایک حال ہے اور حال کبھی قال نہیں ہوسکتا۔ اگر سب اہلِ عالم چاہیں کہ محبت کو کھینچ کر زبردستی اپنے اندر پیدا کر لیں تو ہرگز کر نہیں سکتے اور تکلف سے اسے ہٹانا چاہیں تو بھی ہٹا نہیں سکتے کیونکہ محبت حق تعالیٰ سبحانہ کی بخششوں میں سے ہے نہ کہ انسانی کسبوں میں سے۔

صاحبِ حال کی محبت اللہ واحد کو یکتا سمجھنا ہے۔ محبّ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ اس کی ہستی محبت کی راہ میں بالکل مٹ جائے اور نفس کی حکومت اس کے وجود میں بالکل ختم اور معدوم ہو جائے۔

محبت محبّ کا اپنے کل اوصاف کو اپنے محبوب کی طلب میں محو کرنا ہے اور محبوب یعنی حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات اقدس کو ثابت کرنا ہے۔

چونکہ محبوب باقی اور محبّ (بندہ) فانی ہے اور محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی بقا کو اپنی نفی سے طلب کرے تاکہ مطلق ولایت حاصل ہو۔

محبّ اگر اپنی صفت کے ساتھ قائم ہو تو محبوب کے جمال سے حجاب میں ہوتا ہے۔
محبّ کی حیات محبوب کے جمال سے ہے۔ اس لیے ضروری امر ہے کہ وہ اپنے اوصاف کی نفی کرے۔
محبّ وہ ہے جس کا دل سوائے محبوب کے قرار نہ پکڑے اور دوستی حق میں صادق ہو۔
محبت میں صادق وہ ہوتا ہے کہ جب دوست کی طرف سے مصیبت آئے تو رغبت سے اسے قبول کرے اور اس پر شوق

واشتیاق اس قدر غالب ہو کہ اگر لاکھ تلواریں بھی اس کے سر پر ماردی جائیں تو اسے احساس تک نہ ہو اور وہ مشاہدہ دوست ہی میں مستغرق ہو اور رضائے الٰہی میں ہمیشہ راضی ہو۔

محبت میں رضا یہ ہے کہ اگر ساتوں دوزخ مع عظمت اور ہیبت کے اس کے دائیں ہاتھ پر رکھ دی جائیں تو وہ یہ نہ کہے کہ بائیں ہاتھ پر رکھ دیں۔ یعنی رضائے حق میں وہ سوائے اس کے سب کچھ بھول جائے۔

رضا تصوف کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حق تعالیٰ کی رضا　(۲) بندے کی رضا

بندے کے حق میں اللہ کی رضا، فضل و کرم اور ثواب کا ارادہ کرنا ہے۔

بندے کی رضا اللہ کے حق میں اس کے احکام پر قائم رہنا، ان کو بجالانا، اور اس کی مشیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

محبت کا ایثار اپنی محبوب ترین چیز کو قربان کرنا ہے۔

اہل محبت وہ لوگ ہیں جو صرف دوست کی بات ہی سنتے ہیں۔

محبت میں کامل وہ ہے جسے کوئی شے بھی عجائباتِ قدرت میں سے عجیب معلوم نہ ہو کیونکہ دعویٰ تسلیم و رضا اسی سے مکمل ہوتا ہے۔

محبت میں صادق وہ ہے جو تمام جہانوں سے دل اٹھالے اور سب سے قطع تعلق کر کے اس ذات مقدس سے تعلق پیدا کرے جس سے تمام جہانوں کا ظہور ہے۔

محبت میں صادق وہ ہے جسے دوستی حق نے خاموش کر رکھا ہے کہ اسے عالم موجودات کی کسی چیز کی بھی خبر نہیں۔

محبت میں صادق وہ ہے جو تمام جہانوں کو غیر دیکھے کیونکہ جس کے دل میں حق تعالیٰ سبحانہ کی دوستی قرار پکڑتی ہے اس کے لیے واجب بھی یہی ہے کہ تمام جہانوں کو غیر دیکھے۔ اگر ایسا نہیں تو عاشق صادق نہیں۔

جس شخص میں حق تعالیٰ کی محبت غالب ہوگی اس میں درد و حزن زیادہ ہوگا۔

محبت کی راہ میں مطیع ہی منزلیں طے کرتے ہیں۔ اہل محبت مطیع ہوتے ہیں اور ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں کہ کہیں دور نہ کر دیے جائیں۔

محبت کی راہ ایسی ہے کہ جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کا نام نشان تک نہیں ملتا۔ عاشقوں کا ایثار عاشقی اور بے نیازی ہے اور محبوں کا ایثار آرزو نہ کرنا ہے۔

اہل محبت کا گروہ وہ ہے کہ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

جس کو محبت دی گئی ہے اس کے ساتھ فقر و وحشت بھی دی گئی ہے اس لیے کہ دنیا پر فریفتہ نہ ہو۔

عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہے اور ماسویٰ حق کے جو اس میں جائے اسے جلا کر اور ناچیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ نہیں۔

اہل سلوک کے نزدیک قہقہہ ایک گناہِ کبیرہ ہے۔

محبت میں ایک ایسا عالم ہوتا ہے کہ لاکھوں علماء اسے سمجھنے کی خواہش کرتے ہیں لیکن ذرہ بھر بھی ان کی سمجھ میں نہیں

آتا۔ وہ ایک ایسا راز ہے جو تمام جہانوں سے باہر ہے، جسے اہلِ عشق کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اہل محبت میں سے جب کوئی انتقال کر جاتا ہے تو آن واحد میں جنت کے اعلیٰ طبقے میں جہاں قربِ الٰہی میسر ہوتا ہے وہاں لے جایا جاتا ہے لیکن اہلِ محبت دیدارِ حق کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔

عاشق صادق وہ ہے جو کہ دونوں جہانوں سے دل اُٹھا لے۔

قیامت کے دن اٰمَنّا وَصَدَّقْنَا عاشقوں کو صادق ومحبّ بنادے گا۔

عشق میں کمال یہ ہے کہ جب محبوب آزمائے اور محبّ پر بلائیں برسائے تو وہ چوں وچرا نہ کرے اور ہمیشہ رضائے محبوب میں کمر بستہ رہے اور اس کے جمال کے مشاہدہ میں ایسا مستغرق ہو کہ اسے خود کی ذرہ بھر بھی خبر نہ ہو۔

حق تعالیٰ سبحانہ جس کے باطن میں عشق ومحبت کو پیوست کر دیتا ہے اس کا دل مرکزِ تجلیات بن جاتا ہے اور وہ اسی میں بے خود اور خاموش رہتا ہے۔

ندیوں میں بہتا ہوا پانی شور کرتا ہے لیکن جب وہ پانی سمندر میں گر جاتا ہے تو پھر شور کہاں بلکہ سکوت ہی سکوت ہوتا ہے۔ جس طرح ندی سمندر میں مدغم ہو جائے تو ندی کا وجود باقی نہیں رہتا اسی طرح محبوب اور محبّ کے وصل کے بعد دوئی ختم ہو جاتی ہے۔

عاشق اس وقت تک آہ وفغاں میں مبتلا رہتا ہے جب تک معشوق کے ساتھ اس کا وصل نہیں ہوتا۔ وصل کے بعد دوئی ختم ہو جاتی ہے۔

دوست وہ ہے جو دوست کو صدق دل سے یاد کرتا ہو کیونکہ دل صرف دوست کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تاکہ عرش معلّیٰ کے گرد طواف کریں جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے ارشاد فرمایا ہے:

اے میرے بندے جب میرا ذکر تم پر غالب ہو جائے گا تو میں تمھارا عاشق ہو جاؤں گا یعنی تمھارا محبّ۔

اہلِ محبت مشتاقِ دیدار اس وقت تک رہتے ہیں جب تک انھیں دیدار حاصل نہیں ہوتا یعنی فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ نہیں ہو جاتے۔

عشق ومحبت میں گفتگو اور حرکت ومشغلہ وغیرہ یہ سب کی سب ظاہر داری ہیں۔ دراصل ایسے لوگ عشق ومحبت سے بے بہرہ ہیں ان کا عشق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

قیامت کے دن جب عاشقوں کو بہشت میں لے جانے کا حکم ہوگا تو وہ شوقِ دیدار سے بے تاب جنت میں داخل ہوں گے۔

علم

علم نہ ہوتو انسان کسی بھی لطیفہ رحمانی کو پہچان نہیں سکتا اور جب علم موجود ہوتو سب مقامات، مشاہدات اور مراتب اس کے مقابل ہوتے ہیں۔

دین اسلام میں سب سے مقدم علم کلمہ طیبہ کا علم ہے یعنی توحید الٰہی اور حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذات اطہر کی نبوت ورسالت کا علم۔ اس ضمن میں فرمان الٰہی ہے:

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے:

جس نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور میں نبی ہوں اور خاتم النبین ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کا گوشت اور خون آتشِ دوزخ پر حرام کر دیا ہے۔

خالق حقیقی کا علم قدیم، قائم اور غیر محدود ہے اور ہر شے پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے برعکس مخلوق کا علم حادث، فانی اور محدود ہے۔ خالق حقیقی کے وسیع علم کے پیش نظر اس کے جملہ احکام کے آگے سرِتسلیم خم کر دینا ہی کمال بندگی ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا علم تمام علوم پر محیط ہے اور معرفت اس کا ایک جز ہے۔ پس کہاں حق تعالیٰ کا علم اور کہاں بندے کا علم۔

علم شریعت کا ظاہر، باطن کے بغیر نقصان اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے۔

سب سے مقدم علم حاصل کرنا ہے۔ اہلِ علم کو علم ہی کے ذریعے حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ علم جہالت کی موت سے دل کا زندہ ہونا ہے اور کفر کی تاریکی سے ایمان کی آنکھ کا روشن ہونا ہے۔

جسے شریعت کا علم حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی بیماری میں مبتلا ہے۔

جس شخص کو معرفت الٰہی کا علم حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے۔ علم ہی نہ ہونے کی وجہ سے کفار کے دل مردہ ہیں کیونکہ وہ اللہ کی ذات وصفات سے جاہل ہیں۔

علم نہ ہونے کی وجہ سے اہل غفلت کا دل بیمار ہے کہ اللہ کے احکام (امر ونواہی) سے بے خبر ہیں۔

علم وعمل لازم وملزوم ہیں اس لیے کہ اسلام نے جہاں عمل کے بغیر علم کی شدید مذمت کی ہے وہاں علم کے بغیر عمل کرنے والوں کو بھی گدھے کی مانند قرار دیا ہے۔

جس عمل کی بنیاد علم پر ہو دراصل عمل وہ ہے۔

طلب علم کے لیے دو قدم بھی چلنا اور علماء ومشائخ کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے فرمودہ کلام پر عمل کرنا، اپنے لیے بہشت میں مقام بنانا اور قربِ حق حاصل کرنا ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے علماء ومشائخ کی صحبت اختیار کرنا اور ان کی خوبیاں اپنے آپ میں پیدا کرنا ہدایت الٰہی ہے۔

علم ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت ہر قسم کی جہالت کی بات اس کے موصوف سے دور ہو جاتی ہے۔

علم دو قسم کا ہے: (۱) علم الٰہی (۲) علم مخلوق

بندے کا علم، علم الٰہی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ علم الٰہی اللہ کی صفت قدیم ہے اور اس کی صفتوں کے لیے انتہا نہیں۔ ہمارا علم ہماری صفت ہے جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہمارے اوصاف متناہی ہیں۔

انسان کو امورِ الٰہی اور حق تعالیٰ کی معرفت کا علم ہونا ضروری ہے اور انسان پر مصلحتِ وقت کا علم بھی فرض ہے۔

جو علم وقتِ ضرورت کام آتا ہے اس کا ظاہر و باطن دو قسم کا ہے: (۱) علم اصول (۲) علم فروع

علم اصول کا ظاہر شہادت ہے اور باطن معرفت الٰہی کی تحقیق۔ علم فروع کا ظاہر معاملات دینی کو عمل میں لانا ہے اور اس کا باطن نیت کا صحیح کرنا ہے یعنی دل میں خالص لوجہ اللہ کلام کرنے کا ارادہ۔

علم اصول اور علم فروع میں سے ہر ایک کا قیام دوسری قسم کے بغیر محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر باطن کے بغیر منافقت ہے اور باطن ظاہر کے بغیر بے دینی ہے۔

علم حقیقت کے تین رکن ہیں:

اول: ذات الٰہی اور اس کی وحدانیت اور اس سے تشبیہ کی نفی کا علم ہے۔

دوم: صفاتِ الٰہی اور اس کے احکام کا علم۔

سوئم: افعالِ الٰہی اور ان کی حکمت کا علم۔

علم شریعت کے تین رکن ہیں:

اول: کتاب الٰہی

دوم: سنت نبوی ﷺ کا علم

سوئم: اجماعِ امت۔

علم ذات الٰہی کی شرط یہ ہے کہ ہر عاقل بالغ انسان یہ اچھی طرح جان لے کہ حق تعالیٰ سبحانہ بذات خود ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ کسی خاص مکان اور جہت میں نہیں۔ اس کی ذات نقص سے پاک ہے۔ مخلوق میں اس کے مانند کوئی نہیں۔ نہ ہی اس کے بیوی بچے ہیں۔ جو کچھ تمھارے وہم و عقل میں متصور ہوتا ہے وہ ان سب کا پیدا کرنے والا، ان کا قائم رکھنے والا اور مالک ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ○ (سورۃ الشوریٰ:11)

کوئی چیز اس کی مانند نہیں اور وہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔

علم صفات الٰہی کے جاننے کی شرط یہ ہے کہ اس کی صفات (حقیقیہ) اس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں نہ عین ذات ہیں اور نہ ہی غیر اور اس سے جدا ہیں (بلکہ لازم غیر منفک ہیں) جیسے علم و قدرت، حیات و ارادہ، سمع و بصر اور کلام و بقا۔ چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے کہ بلاشبہ وہ سینوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ سب کچھ سنتا، دیکھتا ہے اور وہ جو چاہے کرنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی زندہ ہے اور اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کا فرمان حق ہے اور اسی کی

حکومت ہے۔علم افعال الٰہی کے لیے صورت یا اس کے مطالب کے لیے یہ شرط ہے کہ تم جانو کہ حق تعالیٰ سبحانہ تمام مخلوقات اور ان کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے اور تمام عالم (عدم سے) اس کے حکم سے موجود ہو گیا اور وہ خیر وشر کا اندازہ کرنے والا اور نفع وضرر کا خالق ہے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

احکاماتِ الٰہی کے علم کو علم شریعت کہتے ہیں اور شریعت کے اصول اقرار توحید اور رسالت ہیں اور فروع حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں۔

شریعت مجاہدہ ہے اور ظاہری احکام و اوامر کی پابندی ہے۔

شریعت بندہ کے کسب وکوشش سے مگر توفیق الٰہی سے ہے۔

شریعت کے احکام کے اثبات کی دلیل یہ ہے کہ یقینِ کامل کے ساتھ یہ جانو کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے ہمارے پاس اس کے محبوب رسول ﷺ خارق عادت (خلافِ معمول) معجزات لے کر آئے ہیں اور جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اطہر نے پوشیدہ اور ظاہر امور کے متعلق ہمیں خبر دی ہے حق ہے۔

شریعت کا پہلا رکن کتاب الٰہی ہے۔چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ؔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران: 7)

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیر اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے ۝

اس کتاب میں محکم آیتیں ہیں۔جن کا مطلب ظاہر ہے۔(وہی کتاب کا اصل ہے) شریعت کا رکن دوم، سنتِ نبوی ﷺ ہے جیسا کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (سورۃ الحشر:7)

جو کچھ میرے محبوب رسول ﷺ تمھیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے تمھیں وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔

جو شخص مجاہدہ میں رہتا ہے اور اپنی ظاہری آنکھ کو محرمات سے بچائے رکھتا ہے، وہ ضرور حق تعالیٰ کے جمال اور تجلیات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔بار بار مجاہدہ کی وجہ سے وہ اس مقام پر پہنچتا ہے کہ تمام کائنات محبوب حقیقی کی صورت اختیار کر جاتی ہے اور اس کو کائنات میں کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی کہ جس میں حق تعالیٰ کا جلوہ نہ ہو۔

شریعت کا سوئم رکن اجماع امت ہے۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات اطہر نے ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ أُمَّتِيْ لَنْ تَجْتَمِعَ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ۔

میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ اگر تم ان میں اختلاف دیکھو تو (اہلِ حق کی) سب سے بڑی جماعت کی پیروی کرو۔

الغرض شریعت کے احکام اتنے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان سب کو جمع کرنا چاہے تو کر نہیں سکتا کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ کے لطائف کی کوئی انتہا نہیں۔

صوفیہ کرام کے نزدیک یہ تین علوم ہیں۔

اول: علم باللہ اور علم باللہ سے مراد علم طریقت ہے۔

دوم: علم مع اللہ سے مراد مقاماتِ طریقت اور اولیاء عظام کے درجات کا علم ہے۔

سوئم: علم من اللہ جس سے مراد علم شریعت ہے۔

علم باللہ وہ معرفت الٰہی ہے کہ تمام انبیاء کرام و اولیاء عظام نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کو اسی کے ذریعے سے پہچانا اور جب تک خود ذاتِ حق کی طرف سے اس کی پہچان کی توفیق انھیں نہیں ملتی انھوں نے اسے نہیں پہچانا۔ اس لیے کہ حصولِ علم کے تمام اسباب ذات وصفات حق تعالیٰ سے منقطع ہیں اور انسان کا علم معرفت حق تعالیٰ کا سبب نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی معرفت کا سبب بھی خود اس کی رہنمائی اور بندے کو آگاہ کرنا ہے۔

علم مع اللہ طریق حق اور قرب الٰہی کے مقامات اور اولیاء کے درجات بیان کرنے کا علم ہے۔ پس معرفت الٰہی شریعت کو قبول کیے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی اور شریعت پر عمل کرنا لازمی امر ہے۔

علم من اللہ علم شریعت ہے جو اس کی طرف سے ہم کو نیک اعمال کا حکم دینا اور ان کی بجا آوری کو ہم پر لازم کرنا ہے۔

جو شخص علم کلام (توحید الٰہی) سے محض اس کی عبادت پر اکتفا کرتا ہے اور اس کی اضداد (مخالف باتوں) سے منہ موڑ کر تقویٰ اختیار نہیں کرتا، وہ بے دین ہے۔ جو شخص محض علم فقہ و شریعت پر بغیر پرہیزگاری کے اکتفا کرتا ہے، وہ فاسق ہو جاتا ہے۔

بغیر عمل ومجاہدہ اور کوشش کے صرف توحید الٰہی کا اقرار جبر ہے اور حقیقی موحد کو لازم ہے کہ وہ قول میں جبری ہو (یعنی زبان سے کہے کہ وہی کرسکتا ہے جو اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے) اور فعل میں قدری ہوتا کہ اس کا طریق عمل جبر وقدر کے درمیان ہو جائے۔ جس نے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ نہیں کیا، گویا اس نے علم حاصل نہیں کیا۔

تین قسم کے لوگوں سے اور ان کی صحبت سے پرہیز اور اجتناب کرو۔ اول غافل عالموں کی دوم خوشامدی فقیروں کی، سوئم جاہل صوفیوں کی۔

غافل علماء وہ ہیں جنھوں نے دنیا کو دل کا قبلہ اور شریعت سے آسان چیزوں کو اختیار کر کے ظالم بادشاہوں کی پرستش کو اپنے وطیرہ اور ان کی درگاہ کو اپنی طواف گاہ بنا رکھا ہے اور لوگوں کی نظر میں وقعت حاصل کرنے کو اپنا محراب بنا کر غرور اور دانائی پر فریفتہ اور اپنے کلام کی باریکی میں مشغول ہو گئے ہیں اور آئمہ دین اور استادوں کے حق میں لعن طعن کی زبان دراز کر کے بزرگانِ دین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ زیادتی اور مبالغے میں جب اس حد تک پہنچ گئے ہیں تو ان کی نظر میں اس کا کچھ بھی وزن نہ ہوگا کیونکہ کینے اور حسد کو انھوں نے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔

خوشامدی فقیر وہ ہیں کہ جب کوئی کام ان کی خواہش نفس کے مطابق کرے، اگر چہ وہ فعل باطل ہی ہو، وہ اس کی مدح کریں اور جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جوان کی خواہش کے مخالف اگر چہ وہ فعل حق ہی ہو، وہ اس فعل کی وجہ سے اس کی مذمت کریں۔ وہ لوگوں سے اپنے عمل اور برتاؤ کے باعث مرتبے کی طمع کریں اور خلقِ خدا کو باطل امور کی تلقین کریں۔

جاہل صوفی وہ ہیں کہ نہ وہ کسی مرشد کی صحبت میں رہے ہوں اور نہ کسی بزرگ سے ادب سیکھا ہو اور نہ ہی زمانے کے مصائب جھیلے ہوں اور کور باطنی سے نیلا لباس (فقیرانہ) پہن کر اپنے آپ کو لوگوں کے درمیان ڈال دیا اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی بےعزتی کو عزت سمجھتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ حماقت نے ان کو اس بات پر ابھارا ہے کہ وہ سب لوگوں کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں اور اس لیے حق و باطل میں تمیز کرنے کا طریق ان پر پوشیدہ رہتا ہے۔

غافل عالم، خوشامدی فقیر اور جاہل صوفی اپنے دعوؤں میں جھوٹے اور اپنے طریق میں ناقص ہیں۔

علم کے ساتھ نیک عمل کی توفیق بڑی اچھی شناخت ہے۔ یقین جانو جس شخص کو نیک کاموں کی توفیق عطا کی گئی ہے اس کے لیے قربِ حق کا دروازہ کھل گیا ہے۔

علم شریعت سے ظاہری حال کی صحت مراد ہے اور علم طریقت سے باطنی حالت کی درستی مراد ہے۔

شریعت بندے کا فعل ہے۔ حقیقت میں حق تعالیٰ کی نگہبانی اور اس کی حفاظت وعصمت کا نام ہے۔ پس شریعت کا قائم کرنا حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قائم کرنا شریعت کی حفاظت کے بغیر ناممکن ہے۔

شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے منافقت۔

علم ظاہر کے بغیر علم باطن بےمعنی ہے۔ علم ظاہر، باطن کے بغیر جہالت اور نفاق ہے اور علم باطن، ظاہر کے بغیر شیطانی وسوسوں میں پڑ کر جادۂ حق سے بھٹک جانا ہے۔ حقیقت باطنی اوصاف کی تکمیل اور تزکیہ نفس ہے۔

شریعت وحقیقت دونوں لازم وملزوم ہیں اور ایک سچے مومن کے لیے دونوں کا اجتماع فرض ہے۔

حقیقت سے مراد وہ معنی ہیں جن میں نسخ جائز نہیں اور عہد آدم علیہ السلام سے لے کر عالم کے فنا ہونے تک اس حاکم کا حکم ایک ہی ہے جیسا کہ حق کی معرفت اور اپنے عمل کی صحت جو خلوص نیت پر مبنی ہو۔

علم حقیقت کے اصول ذات وصفات کی معرفت ہے اور فروع خلوص، احسان، تعظیم، حیا اور تطہیرِ قلب ہے۔ یہ دونوں علوم یعنی علم معرفت وحقیقت آپس میں لازم وملزوم ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے ہدایت اس کی حقیقت ہے کہ کیونکہ یہ عطاءِ الٰہی ہے اور اس میں کسب کا کچھ دخل نہیں ہے۔

حقیقت حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے احوال باطن کی حفاظت ہے۔

حق تعالیٰ سبحانہ کا فرمان ہے کہ جو لوگ ہمارے دین کے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم انھیں اپنے سیدھے راستے کی ہدایت کریں گے۔

حقیقت حق تعالیٰ سبحانہ کی بخششوں اور غیبی تائیدات میں سے ہے۔

علم حقیقت دراصل وہ علم ہے جس سے بندہ اپنے نفس کی حقیقت، ماہیت، عیوب اور آفات کو جانے۔ اسے معرفتِ الٰہی کی کلید بنائے اور رضا کے راستے پر چلنے اور اس کی قربت سے دور ڈالنے والے اسباب کی شناخت کرے اور جدائی

کے حجاب کے خطروں، بدبختی اور خواری کی آفات سے آگاہ ہوجائے اور دُنیوی امور کی حقارت پر ثابت قدم ہوجائے اور خاتمے کے خوف سے دنیا کے مزے اس پر تلخ ہوجائیں۔ حقیقت الٰہی کے معلوم کرنے سے عاجز ہونا ہی اس کی حقیقت معلوم کرنا اور جہالت کے طریق میں ٹھہر جانا شرک ہے۔ یعنی جو عالم معرفت حاصل نہیں کرتا اور اپنی جہالت پر مصر ہوتا ہے، وہ مشرک ہے۔

حقیقت جس کو صرف عارف ہی پہچانتے اور عالم جانتے ہیں وہ حق تعالیٰ کے آگاہ کرنے اور شناسا کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جس نے ان کے دل میں معرفت اور علم پیدا کر دیا۔ پس علم اور معرفت کا تعلق ان کے کسب سے نہیں ہے بلکہ عطائے الٰہی ہے جس کو عطا ہو حقیقت میں مومن وہی ہے۔

دراصل انسان کا صحیح علم حق تعالیٰ سبحانہ کے احکامات اور اس کی ذات وصفات کی معرفت ہے۔

سب سے پہلے جو چیز انسان پر فرض ہوئی وہ معرفت تھی۔ فرمان الٰہی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ O (سورۃ الذاریات:56)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔

یہاں لِيَعْبُدُوْن سے مراد لِيَعْرِفُوْن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اسے پہچان کر اس کی عبادت کریں۔

انسانیت کس چیز کا نام ہے؟ اور کس چیز کے لائق ہے؟ اس کا علم سب طالبانِ حق پر فرض ہے اس لیے جو شخص اپنی حقیقت سے جاہل ہے، وہ حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ چونکہ بندے کو حق تعالیٰ کی معرفت کا حکم دیا گیا ہے تو اس کو پہلے اپنی معرفت حاصل ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنے حادث کے صحیح ہونے سے حق تعالیٰ کے (قدیم) ہونے کو پہچان لے اور اپنی فنا سے بقا کو معلوم کر لے۔

جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو بقا سے پہچان لیا۔ جس نے اپنے آپ کو ذلت سے پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو عزت سے پہچان لیا۔ جس نے اپنے آپ کو بندگی سے پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا۔

جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا، وہ کُل کی معرفت سے حجاب میں رہتا ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

نفس کے لفظی معنی ذات اور وجود کے ہیں۔ لیکن صوفیہ نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ ایک گروہ روح کو، دوسرا جسم کو اور تیسرا ضمیر کو نفس کہتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت نفس اور روح ایک ہی لطیف اور پاکیزہ شے کا نام ہے۔ نفس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ

نفس امارہ انسان کو برائی اور حق تعالیٰ کی حکم عدولی کی طرف ترغیب دلاتا ہے۔

نفس لوامہ انسان کو کیے پر نادم اور پشیمان کر دیتا ہے۔

نفس مطمئنہ ذکر وفکر اور عبادت پر مطمئن نفس کو کہتے ہیں جو کہ نفس امارہ اور نفس لوامہ کی باہمی کشمکش سے چھٹکارا پا

چکا اور قرب و رضا کی نعمت پا گیا۔

جو شخص نفس اور اس کی تدبیر کو مدنظر رکھتا ہے، سخت ترین حجاب میں ہے۔ کیونکہ نفس کی متابعت حق تعالیٰ کی مخالفت ہے اور حق کی مخالفت سب سے بڑا حجاب ہے۔ نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور حق کی رضا جوئی سے منع کرنے والا ہے۔ تمھارے لیے سب سے افضل اس کی مخالفت ہے۔ اس لیے کہ امانت میں خیانت بیگانگی ہے اور رضائے حق کو ترک کرنا سراسر گمراہی ہے۔

رضا اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم رہنا، ان کو بجالانا اور اس کی مشیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔

معرفت کی منتہا عشق و محبت ہے اور محبت کی علامت بندگی ہے۔ کیونکہ جب دل محبت اور مشاہدہ کا محل ہے اور آنکھ رویت کا محل و منتہا اور جان عبرت کا محل تو جسم کو چاہیے کہ امرِ الٰہی کا تارک نہ ہو اور جو شخص امرِ الٰہی کا تارک ہو اس کو معرفتِ الٰہی کیسے ممکن ہے کہ حاصل ہو۔

معرفت کے معنی ہے پہچاننا۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی معرفت کے سوا اور کسی چیز کی لیے پیدا نہیں کیا۔ پس حق تعالیٰ کی معرفت ہر شخص پر فرض ہے اور جس شخص کو ذات و صفاتِ الٰہی کی معرفت حاصل نہیں وہ تو زندہ درگور ہے اور حق تعالیٰ کی نظر میں اس کی قطعی کوئی وقعت نہیں اور وہ بے قیمت ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ معرفت الٰہی عقل و فہم کی صحت پر موقوف نہیں بلکہ اس کی وجہ مشیت اور عنایتِ ایزدی ہے۔

انسان دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) اپنے نفس کو پہچاننے والے۔ (۲) حق تعالیٰ کو پہچاننے والے۔

جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس کا شغل ریاضت و مجاہدہ ہوتا ہے۔

جس نے حق تعالیٰ کو پہچانا، اسے تسلیم و رضا کی طلب ہوتی ہے۔

معرفت یہ ہے کہ جو بھی عجب بات قدرت سے ظہور میں آئے اس پر تعجب نہ کرے کیونکہ تعجب اس فعل پر ہونا چاہیے کہ کوئی اپنی قدرت سے زیادہ کرے، جب کہ حق تعالیٰ سبحانہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ تو عارف کو اس کے افعال پر تعجب کرنا محال ہے اور اگر تعجب متصور بھی ہو تو بھی وہاں ہونا چاہیے کہ اس نے ایک مٹھی خاک کو اس درجہ پر پہنچا دیا۔ جس کی وجہ سے وہ اس کا فرمان بردار بنا اور خون کے قطرے کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ اس کی محبت و معرفت، اس کے دیدار کی طلب اور اس کے قرب و وصل کا طلب گار رہوا۔

معرفت الٰہی ان پر حرام ہے جن کے باطن میں دنیا کی محبت رائی کے دانے کے برابر ہو۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ دنیا کا ترک کرنا تمام عبادتوں کا سر ہے اور دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ پس یقین جانو کہ ترک اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اطہر سے محبت بدرجہ اتم نہ ہو اور محبت اس وقت دل میں پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ یہ جذبہ عطا فرمائے۔

اہلِ معرفت کی علامت ترک ہے۔ جس میں ترک ہوگی، وہ حق شناس ہوگا۔ ترک یہ ہے کہ غیر اللہ سے منھ موڑ کر حق تعالیٰ کی طرف اس کی نگاہ ہو۔ غرضیکہ حق کے سوا ہر شے کو ترک کردے۔

اہل معرفت کی عبادت پاسِ انفاس ہے۔

معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نہایت لطیف انوار کے ساتھ دلوں پر جلوہ فرماتا ہے۔ یعنی جب تک حق تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندے کے دل کو اپنے نور سے آراستہ نہ کر دے، تب تک اس کا دل تمام خرابیوں سے رہائی نہیں پاتا۔ چنانچہ تمام موجودات اور مخلوقات کا اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی وزن نہیں رہتا۔ باطن اور ظاہر کے اسرار کا مشاہدہ اس پر غلبہ نہیں کرتا۔ جب وہ ایسا ہو جاتا ہے تو اس کا دیکھنا، سب مشاہدہ ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ کی ہستی کی معرفت اپنی ہستی کے متعلق حیرانی کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے کہ بندہ جب حق تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو اپنی ساری ہستی کو اس کے قہر کی قید میں دیکھ پاتا ہے۔ جب اس کا وجود بھی اسی کے سبب سے ہے اور عدم بھی اسی کی وجہ سے تو وہ حیران ہو جاتا ہے کہ جب سب چیزوں کا قیام اسی کی ذات پر موقوف ہے تو میں خود کون اور کیا ہوں؟ یہی وجہ ہے کہ فرمان نبوی ﷺ ہے: جس نے اپنے آپ کو فنا کے ساتھ پہچان لیا اس نے حق تعالیٰ کو بقا کے ساتھ پہچان لیا۔

حق تعالیٰ کے پہچاننے کی یہی نشانی ہے کہ ایسا سالک خلق سے بھاگتا ہے اور خالق کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ غیر حق سے بیزار ہوتا ہے۔

جو شخص بھی حق تعالیٰ کو پہچانتا ہے وہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ سے ہی پہچانتا ہے۔ اس کے خاص الخاص اوصاف تین قسم کے ہیں۔

اول: اس کے جمال سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوم: اس کے کمال سے تعلق رکھتے ہیں۔

سوئم: اس کے جلال سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ شخص جو جمال الٰہی کی معرفت رکھتا ہو وہ ہمیشہ دید و مشاہدہ کا مشتاق رہتا ہے۔ جو لوگ اس کے کمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لیے اس کے کمال تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کے کمال کو تو ثابت کریں اور نقص کی اس سے نفی کریں۔ پس شوق، محبت کی تاثیر ہے اور نفرت، بشریت کے اوصاف میں سے ہے۔ اس لیے کہ بشریت کے حجاب کا کھلنا محبت کے سوا کسی بھی طرح ممکن نہیں۔ وہ شخص جسے جلالِ الٰہی سے مشاہدہ ہو، وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے نفرت کرتا ہے اور اس کا دل ہمیشہ خوف اور ہیبت کے محل میں ہوتا ہے۔ معرفت یہ ہے کہ تو مخلوق کی حرکات و سکنات کو بواسطہ خالق جانے۔

جس شخص کے دل میں خدمتِ خلق اور اپنے بھائی کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ نہیں وہ معرفت سے خالی ہے۔

جو شخص اپنے بھائی کی مصیبت (تکلیف) کو محسوس نہ کرے اور اس کے دل میں جذبۂ ہمدردی نہ ہو تو وہ معرفت سے خالی ہے۔

علم سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا لازم ہے۔ چونکہ بندے کے علم کا کمال بمقابلہ علم الٰہی جہل ہے۔ اس لیے تمھیں اس قدر جاننا چاہیے کہ تم کچھ نہیں جانتے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں جانتا اور بندگی (بندہ ہونا) حق تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔

جس کو علم معرفت حاصل ہے اور کمالِ علم کی وجہ سے حق بات اس پر ظاہر ہو جاتی ہے، تو علم کا غرور اس سے دور ہو جاتا

ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا علم معرفت الٰہی میں سوائے عاجزی وانکساری کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ بندے کی وہمی معلومات کا حقائق معرفت کے بارے میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ تو یہ عاجزی ہی اس کے لیے علم کی کنہ دریافت کرنا ہے۔

اس حقیقت کی معرفت کہ اس کے مرتبے کی کوئی انتہا ہی نہیں، اہل عرفان کے اشتیاق اور تشنگی میں کبھی بھی کمی نہیں آنے دیتی۔ تمام موجودات کی پیدائش اور تمام مخلوقات کی افزائش اسی اصل کے ظہور کا باعث ہے۔ دنیا کے تمام افہام اور عقول جن سے ہماری مراد رسل، انبیاء، اولیاء، حکماء، علماء، فرشتے، جنات اور انسان ہیں ان سب نے جو کچھ سمجھا، دیکھا، سنایا لکھا، حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات کی عظمت کے سامنے اور الٰہی جلال کے روبرو اس کا اندازہ ایسا ہے جیسا کہ سمندر کے مقابل قطرہ۔ اس کا علم تمام عالموں پر احاطہ کیے ہوئے ہے جس کی کوئی انتہا ہی نہیں اور حق تعالیٰ نے جس کو بھی اپنی معرفت بخشی اپنی قدرت سے عطا فرمائی اور جس کو بھی عطا فرمائی، اس کے ظرف کے مطابق عطا فرمائی۔ انبیاء، عظماء اور اکابرین اولیاء کے افراد سے ہر فرد کو اس بحرِ ناپیدا کنار سے وہبی طور پر یا مجاہدات کے اندازے اور ریاضت کی برداشت کے موافق اسراری مقامات کی فہمید کا دریا بہا دیا جاتا ہے یا ایک قطرہ دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایک خاص مشرب بھی دیا جاتا ہے اور عارف کو (جو طریقت کے میدان کا شہسوار اور حقیقت کے لشکر کا پیشرو ہو) نفس کی صفائی اور قلب کی ستھرائی کے اندازے پر کبریائی بھیدوں کے خزانہ سے اطلاع دی جاتی ہے۔ ان رازوں کے خالص موتی عام اندھوں یا بد باطنوں کو پیش نہیں کیے جاتے اور غفلت کے اندھوں کی آنکھوں میں ان سربستہ معانی کی جھلک ہرگز نہیں ڈالی جاتی۔

اہلِ دنیا، دنیا کی راہ میں معذور ہیں اور اہلِ آخرت، حق کی دوستی کے سرور میں خوش ہیں اور اہل معرفت نور علیٰ نور ہیں۔ یہ ایک ایسا راز ہے جسے اہلِ سلوک ہی جانتے ہیں۔ علم ربوبیت تو قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (سورۃ بنی اسرائیل:85)

ترجمہ: ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا۔

حقِ ربوبیت اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ ہر حق دار بندہ اپنی پوری طاقت اور اطاعت سے اس کا حق بھی ادا کرے۔

اس علم کو جس کے ساتھ عمل اور حال بھی ملا ہوا ہو معرفت کہتے ہیں اور اس کے عالم کو عارف کہتے ہیں۔

جو شخص کسی چیز کے معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کو عارف کہتے ہیں۔

عالم اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور عارف حق کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔

عارف کے نزدیک غیرحق کی طرف نگاہ کرنا بھی حرام ہے۔

عارف جب تک غیرحق سے کنارہ نہ کرے وہ عارف الٰہی نہیں ہوسکتا۔

عارف جب خاموش ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے اور آنکھیں بند کرتا ہے تو مشاہدۂ حق میں مستغرق ہوتا ہے۔

عارف میں حق تعالیٰ کی شناخت کی علامت یہ ہے کہ وہ خاموش رہتا ہے اور خلقت سے دور بھاگتا ہے۔

عارف کا کمال اسی میں ہے کہ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالے اور سوائے حق کے ایک لمحہ کے لیے بھی غیرحق کی طرف

متوجہ نہ ہو اور حق ہی کی طرف نگاہ مرکوز رکھے۔

ادنیٰ سے ادنیٰ بات جو عارف کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہو۔

عارف محبت میں کامل اس وقت ہوتا ہے جب گفتگو درمیان سے اٹھ جائے اور ایسا ہو جائے کہ حق ہی حق ہو اور وہ نہ ہو۔

عارف کا ایک مقام یہ ہے کہ صفات حق اس میں پائی جائیں۔

عارف آفتاب کے مانند ہے جو کہ سارے جہاں کو روشنی بخشتا ہے۔ جس کی روشنی سے کوئی شے بھی محروم نہیں رہتی۔

عارف وہ ہے جس نے حق تعالیٰ کو حقیقت میں پہچان لیا ہو۔

اہل عرفان ہمیشہ خاموش رہتے ہیں اور مشاہدۂ حق کی وجہ سے غم و اندوہ میں ہوتے ہیں۔

محبتِ حق میں عارف کے لیے کمال مرتبہ یہ ہے کہ وہ مظہرِ انوار الٰہی ہو۔ اگر کوئی شخص دعویٰ لے کر آئے تو وہ نگاہ ملتے ہی معترف ہو جائے اور وحدانیت کا قائل ہو جائے۔

عارفوں میں صادق وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی کی ملکیت ہو۔

عارف اہلِ فضل ہیں اور وہ دوست کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں۔

عارف پر ہر لمحہ خوف طاری رہتا ہے اس وجہ سے کہ کہیں اس کو درگاہ سے دور نہ کر دیا جائے۔

عارف اس وقت تک شب و روز آہ و فغاں میں رہتا ہے جب تک راہ میں ہوتا ہے۔ لیکن جب حقائق کے قرب کو پہنچ جاتا ہے تو آہ و فغاں ختم ہو جاتی ہے۔

عارف وہ ہے جو دونوں جہانوں سے قطع تعلق کرے اور پھر مقام فردانیت پر پہنچے۔ کیونکہ یہ راہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو سب سے بیگانہ بن جائے۔

عارف اس شخص کو کہتے ہیں جس کو قدرت کی تمام نشانیوں کا مشاہدہ ہو اور وہ ان پر غور و فکر کرنے والا ہو۔ عقل سے لاکھوں معنی پیدا کر سکتا ہو اور بیان کر سکتا ہو۔ محبت کے تمام دقائق کا جواب دے سکتا ہو اور ہر لمحہ بحر میں تیرتا ہو تا کہ اسرارِ الٰہی و انوارِ الٰہی کے موتی نکال کر دیدہ ور جوہریوں کو پیش کرتا رہے اور جب وہ اسے دیکھیں تو بے حد متاثر ہوں۔ ایسا شخص بلاشبہ عارف ہے۔

عارف کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ ہر وقت متبسم رہتا ہے۔ جس وقت وہ مسکراتا ہے اس وقت عالمِ ملکوت میں مقرب اسے دکھائی دیتے ہیں۔ پس جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اس کے مسکرانے کا سبب ہوتا ہے۔

عارف ہر وقت وسوسہ عشق میں رہتا ہے اور قدرتِ الٰہی کی آفرینش میں متحیر رہتا ہے۔ اگر کھڑا ہے تو بھی دوست کے وہم میں اگر بیٹھا ہے تو بھی دوست کا ذکر کرتا ہے، اگر سویا ہے تو بھی دوست کے خیال میں متحیر ہے، اگر جاگتا ہے تو بھی دوست کے حجابِ عظمت کے گرد طواف کرتا ہے۔

عارف وہ ہے جس کا دل منور ہو اور ایک نگاہ سے لوگوں کے دلوں کے زنگ صاف کر دے۔ اگر کوئی شخص اس کے پاس دعویٰ کر کے آئے تو اسے بزورِ کرامت قائل کرے اس لیے کہ وہ نور ہی سے دیکھتا ہے۔

عارف کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں دنیا و مافیہا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان

دیکھتا ہے۔

عارف کی نگاہ جب عالمِ وحدانیت اور جلالِ ربوبیت پر پڑتی ہے تو ہر طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تاکہ غیر کی طرف نہ دیکھ سکے۔

عارف کی خصلت محبت میں اخلاص ہے اور یہ حق تعالیٰ کو بے حد پسندیدہ ہے۔ عارف دنیا کا دشمن ہے اور حق تعالیٰ کا دوست ہے۔ چونکہ وہ دنیا سے بیزار ہوتا ہے اس لیے غل وغش اور حسد وغیرہ کی اسے خبر نہیں ہوتی ہے۔

عارف سے ادنیٰ سے ادنیٰ بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ملک و مال سے بیزار ہوتا ہے۔ عارف ذکرِ حق کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا۔

عارف وہ ہے جو صبح اٹھے تو رات کی بابت اسے کچھ یاد نہ ہو۔

عارف وہ ہے کہ سوائے حق کے، جو کچھ بھی اس کے دل کے اندر ہو، نکال دے تاکہ یگانہ ہو جائے۔ اُس وقت وہ مقامِ غنٰی پر فائز ہو جاتا ہے۔

وہ عارف ہی نہیں جو حق کے سوا کسی بھی وقت غیر حق کی طرف متوجہ ہو۔

عارف وہ ہے جو خلقت سے مدد کی آرزو نہ رکھے اور دوست کی طرف سے رنج والم پہنچنے پر حکایت وشکایت نہ کرے۔

عارف اگر خلقت سے دور نہ بھاگے تو سمجھ لو کہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔

عارف متقی ہے۔ اگر وہ گداگری کر کے کھائے تو قطعاً حرام ہے۔

عارف وہ ہے جو روحانیت میں کسی بھی مقام پر قناعت نہ کرے بلکہ اور کی طلب میں آگے بڑھتا ہی چلا جائے۔

طالبِ حق جب تک دنیا و مافیہا اور اپنے تئیں نہ چھوڑ دے وہ عارف نہیں ہوسکتا۔ عارف وہ ہے جسے عجائبات قدرت میں کوئی بھی چیز عجیب نہ لگے۔ کیونکہ وہ تسلیم و رضا کا قائل ہوتا ہے۔ جب کہ ہر شے اسی کے سپرد کی جا چکی ہو اور اپنا اختیار ہی کچھ باقی نہ ہو تو تعجب کے کیا معنی۔

عارف وہ ہے خواہ کہیں بھی ہو اور خواہ کچھ بھی طلب کرے، حق تعالیٰ سے ہی طلب کرے۔ جو بات بھی کہے اسی سے کہے اور جواب بھی اسی سے سنے۔

عارف کا حق تعالیٰ پر توکل اسی قسم کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر رہتا ہے۔

ہوش کی حالت میں ذکر و عبادت کرنا صحو ہے اور بے خودی اور اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کے غلبہ کا نام سکر ہے۔

صاحب دل وہ ہے جو اپنے حال سے فانی اور حق کے ساتھ باقی ہو۔

عارف جب حق کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کا حق کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے تو منزل قرب میں ساکن ہو جاتا ہے۔ جب اس سے دریافت کیا جائے کہ تو کہاں تھا؟ تو کیا چاہتا ہے؟ تو اس کے سوا وہ اور کوئی جواب نہیں دیتا کہ حق کے ساتھ اور حق ہی میرا مطلوب و مقصود ہے۔

عارف پر تجلیات کے شوق میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت اسے ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے شدید زخمی کیا جائے یا کسی اور طرح سے رنج والم پہنچایا جائے، تو اس کو مطلقاً خبر نہیں ہوتی۔

عرفان میں ایک ہی حالت ہوتی ہے اور جب وہ حالت عارفوں پر طاری ہوتی ہے تو وہ ایک ہی قدم میں عرش سے عظمت تک کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور وہاں سے حجاب کبریا تک۔ پھر وہ اپنے مقام پر آ جاتے ہیں۔ عارف کا یہ پہلا درجہ ہے لیکن وہ جو کامل ہیں ان کا درجہ حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کہاں تک ہے، کہاں تک پہنچتے ہیں اور کب واپس آتے ہیں۔

عارف وہ ہے جو اپنی حالت میں تغیر کی قوت رکھتا ہے۔ جس کو ایک حال دوسرے حال سے نہ روکے اور ایک مکان سے دوسرے مکان میں جانے سے رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ وہ ہر مکین کے ساتھ رہتا ہے۔ تمام مکینوں کے مکانوں پر اور اندرونی چیزوں پر بیک وقت نظر ڈالتا ہے اور مخلوق کو فیض پہنچاتا ہے۔

جب عارف کمال کو پہنچتا ہے تو لاکھوں مقام طے کرنے کے بعد بھی اپنی نفی کرتا رہتا ہے اور کمال بھی اسی میں ہے۔

صاحب حضور وہ ہے جو جذبہ عشق میں ہر لمحہ حضوری میں ہو اور ایک لمحے کے لیے بھی غیر پر نگاہ نہ جائے اور ہر ایک واقعہ کو حق تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے۔

حضور کے معنی یقینی دلالت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دل کا حاضر ہونا ہے۔ غیبت ماسویٰ اللہ بلکہ اپنے آپ سے بھی غائب ہونا ہے۔ پس اپنے آپ سے غائب ہونا، اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ غیبت بارگاہ حق میں حاضر ہونے کا راستہ ہے۔

تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ پر آسائش کے دروازے بند کر دو اور زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ تو تسلیم و رضا کا خوگر ہو۔ ہر لحظہ راضی برضا ہو اور دوست کی طرف سے آنے والی بلاؤں کا استقبال کرنے والا ہو۔ اگر تم نے ایسا ہی کیا تو سمجھو کہ تم صوفی ہو۔

تصوف رسوم ہے نہ کہ علوم۔ یہ اہلِ محبت کے انفاس میں ہوتی ہے۔ مشائخ طبقات کا اخلاق یہی ہے:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے خود کو متصف کرو۔

اس واسطے کہ خلق سے باہر نکلنا نہ رسوم سے حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی علوم سے۔

لفظ 'صوفی' تصوف یا صفا سے ماخوذ ہے جس کی ضد کدورت ہے۔ صوفی وہ ہے جس نے اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب اور اپنے نفس کو آفتوں اور بلاؤں سے پاک صاف کر رکھا ہو۔ اسلام کی بنیاد تصوف ہے۔ تصوف نفسانی لذتوں کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ تصوف حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے۔

تصوف نیک خصلت کا نام ہے۔ جو شخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے وہ سب سے بہتر صوفی ہے۔

صوفی وہ ہے جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو اور جب کلام کرے تو حقائق و معارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں۔ جب خاموش رہے تو سچی درویشی اس کی خاموشی سے ظاہر ہو۔

صوفی وہ ہیں جن کے دل پر غیر حق کا گزر نہ ہو اور جن کے دل بشریت کی کدورتوں سے آزاد اور پاک ہوں اور دنیا و حبِ دنیا سے صاف ہوں جب یہ اوصاف ان میں پائے جائیں گے تو وہ بلند مقام پائیں گے اور تمام مخلوقات کے برگزیدہ بندے کہلائیں گے اور جب کہ وہ غیر حق سے بھاگنے والے ہوں گے تو وہ مالک ہو جائیں گے نہ کہ مملوک۔

❁ ❁ ❁ ❁

حیاء

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ہر ایک دین کے واسطے خلق ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔ حیا ایمان کا جُزو ہے اور ایمان کے لیے علم کا ہونا لازمی امر ہے۔ علم کی خاصیت معنوی آب حیا کی مانند ہے جو وجودِ انسانی کے افہام کے برتن میں جب قرار پکڑتا ہے تو اس برتن کے ہم رنگ اور ہم مزہ ہو جاتا ہے۔ اگر خباثت کا برتن ہو تو حرص، تکبر، پلیدی، بخل اور عجب بن جاتا ہے۔ اگر صاف اور پاک برتن ہو تو ورع، خضوع، قناعت، تواضع، کرم اور حیا کا رنگ لاتا ہے۔ بلکہ یہ اوصاف اس کی معیت سے کئی درجہ بڑھ جاتے ہیں۔

صاحبِ حیا وہ ہے جو جذبہ عشق میں ہر وقت مقام عبودیت میں ہو۔ ایک لمحے کے لیے بھی یادِ حق سے غافل نہ ہو۔ ہر ایک واقعے کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے خیال کرے۔ دراصل تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے، اس کے دنیا کے بادشاہ بھی محتاج ہیں۔

صاحبِ حیا وہ ہے جو اپنے حال سے فانی اور حق کے ساتھ باقی ہو۔ حق تعالیٰ اس کے اعمال پر غالب ہو اور اس کا اپنے آپ پر کچھ بھی اختیار باقی نہ ہو۔ صاحبِ حیاء عجائبات قدرت میں جو بھی ظہور میں آتا ہے ان میں سے کسی بھی شے پر تعجب کرنا گناہ عظیم خیال کرتے ہیں۔ ایسا اس خوف سے ہوتا ہے کہ کہیں اس کے اختیار میں دخل کا شائبہ تک نہ ہو۔

صاحبِ حیا کبھی بھی حق تعالیٰ سے کسی بھی قسم کا سوال، خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ ہمیشہ راضی برضائے الٰہی رہتا ہے۔ صاحبِ حیا تکلیف کی حکایت وشکایت نہیں کرتے، چاہے جس قدر بھی بلائیں ان پر برسائی جائیں۔

حیا ہی غالب ہونے کی وجہ سے سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ رضائے الٰہی میں راضی تھے اور اپنے نفس سے غائب اور حق تعالیٰ سے آپ کو باطنی حضور حاصل تھا۔ آپ کے حیاء کی وجہ سے ہی حق تعالیٰ نے آتشِ نمرود کو آپ کے لیے سلامتی اور گلزار بنا دیا۔

حیا کی غایت یہ ہے کہ اپنے آپ سے حیا کرے۔ اس لیے کہ بندہ کا وجود حقیر شے سے عمل میں آیا ہے اور ناقص، حادث اور فانی ہونے کے باوجود اس پر بے انتہا انعامات الٰہی ہیں۔ اسے حق تعالیٰ نے اپنا نائب مقرر فرمایا، قرب عطا فرمایا اور اپنی معرفت بخشی۔ بندہ معرفت حاصل ہونے کے بعد فناءِ نفس سے بقاءِ حق میں تبدیل ہو گیا۔

صاحب حیاء پر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، جس کو حال کہتے ہیں۔ جب وہ اس میں محو ہوتا ہے تو اس حالت میں اگر کئی ہزار ملک، جس میں عجیب وغریب چیزیں ہوں، اسے پیش کیے جائیں تو وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جو حق تعالیٰ کی دید کا طالب ہو وہ بھلا کسی اور کی طرف کیسے دیکھ سکتا ہے۔

کسب ومجاہدہ کے بغیر محض حق تعالیٰ کے فضل سے نکات ومعانی کا دل پر نزول نہایت سعادت ونیک بختی کی دلیل ہے۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

تعظیم

تعظیم ایک اعلیٰ جذبہ ہے جو کہ محبت کی صداقت کی دلیل ہے۔ ایسا عاشق صادق محبوب برحق کی رضا کا طالب اور اس کے دیدار کی طلب میں بے صبرا ہوتا ہے۔ اس کی قربت کی آرزو میں بے قرار ہوتا ہے۔ اس کے سوا کسی اور سے اسے آرام نہیں ملتا۔ وہ اپنے محبوب کے ذکر کا عادی اور اس کے سوا غیر کے ذکر سے بیزار ہوتا ہے۔ آرام، تمام مرغوبات اور مطلوبات دنیا سے الگ ہو جاتا ہے اور خواہشِ نفسانی سے اعراض کرتا ہے۔

جس نے حق تعالیٰ سبحانہ کو پہچان لیا وہ کبھی سوال یا خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ ہمیشہ راضی برضائے الٰہی رہتا اور باادب رہتا ہے۔

ادب بہترین کمالات میں سے ہے۔ جو اس کو ملحوظ نہیں رکھتے، وہ حرماں نصیب ہیں۔

ہمارا دین سراپا ادب ہے۔ جو اس کو ملحوظ نہیں رکھتے وہ سراسر خسارے میں ہیں اور بد بخت ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے آداب کو ملحوظ نہ رکھنے والوں کے لیے تنبیہہ فرمائی۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

اے ایمان والو! میرے محبوب ﷺ کی آواز سے بلند آوازیں نہ نکالو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے تمام اعمال اکارت جائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔

دین اور دنیا کے جملہ امور کی زینت ادب سے ہے۔ دنیا کی کوئی رسم ایسی نہیں جو آداب سے خالی ہو۔ حفظِ ادب سے جہاں انسان میں شفقت و مروت کے مبارک احساسات پیدا ہوتے ہیں وہاں اس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ولایت کا انحصار اتباعِ سنت پر ہے۔ لہٰذا تارکِ ادب، ولایت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

ادب یہ ہے کہ صحبت اور مجلس میں ہر ناشائستہ قول و فعل سے اجتناب کرے اور جب بارگاہِ حق میں حاضر ہو تو اس کے حضور کا خیال رکھے اور ایسی روش اختیار کرے، جو صاحبِ حشمت بادشاہوں کے دربار میں اختیار کی جاتی ہے۔

حسنِ ادب اور اخلاق کا دوسرا نام تصوف ہے جو درحقیقت حق تعالیٰ سے معاملات درست رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ پس مرید کے لیے لازم ہے کہ ہر حالت میں مودب رہے۔ حق تعالیٰ کی بے ریا عبادت، اپنے سے بزرگوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرے نیز شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشات سے دور رہنا اپنا شیوہ بنا لے۔ مرید کے لیے سب سے مشکل چیز پاسِ ادب ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ حفظ مراتب کا خیال رکھے اور ہر شخص کو اپنے درجے میں رکھے۔ بزرگوں کی عزت، ہم عمروں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرے۔

❁❁❁❁❁

متفرق امور کے آداب

کھانے کے آداب: ۔غذا کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے۔مگر شرط یہ ہے کہ کھانے پینے میں حد سے نہ بڑھے اور غذا ہی کو مقصدِ حقیقی قرار نہ دے کہ بہائم کی طرح اس میں منہمک رہے۔ جب کھائے تو تنہا نہ کھائے بلکہ غرباء اور حاجت مندوں کو بھی یاد رکھے۔ ہاتھ دھو کر بسم اللہ شریف پڑھ کر کھائے اور جب کھا کر فارغ ہو جائے تو حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کہے۔

چلنے پھرنے کے آداب: ۔ بندہ کو چاہیے کہ ہمیشہ عجز و آہستگی سے قدم رکھ کر چلے اور چلتے وقت ادھر ادھر نظر نہ کرے اور اگر کوئی مسلمان سامنے سے آرہا ہے تو اس کو سلام کرے۔

نیند کے آداب: ۔ قیامِ صحت کے لیے سونا بھی پڑتا ہے لیکن اس میں حدِ اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص زیادہ سوتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ سے غافل ہونا حجاب ہے۔ بالخصوص رات کے نصف آخر میں بیدار رہنا انبیاء و اولیاء کی پسندیدہ سنت ہے جس سے دل کو حیات و طمانیت حاصل ہوتی ہے۔الغرض کثرتِ نیند، حجاب اور غفلت کی علامت ہے۔

گفتگو کے آداب: ۔ ہر چند گویائی حق تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے لیکن اس کی آفات اور فتنے بھی بڑے ہیں۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

اپنی امت کے معاملے میں جس چیز سے مجھے سب سے زیادہ خدشہ ہے، وہ زبان ہے۔

پس مومن خصوصاً مرید باصفا کو چاہیے کہ گفتگو کرتے وقت اپنی بات کی ابتداء اور انتہاء پر خوب غور کرے کہ اس کی گفتگو صداقت پر مبنی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو خاموشی اختیار کرے اور اگر بولے تو بالکل کم اور ہر بات حکمت اور موعظت کا پہلو لیے ہوئے ہو۔

سوال کے آداب: ۔فرمان الٰہی ہے کہ اللہ کے سچے بندے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جب ان سے کوئی سوال کرے تو اس کا سوال رد بھی نہیں کرتے۔ بہرحال جہاں تک ہو سکے مسلمان حق تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کرے کیونکہ غیر اللہ سے مانگنا، اللہ سے منہ پھیرنا یا اس کی اعانت کو ناکافی سمجھنا ہے جو صریح شرک ہے۔ ہاں اشد ضرورت، تنگ دستی اور افلاس کا مخلوق الٰہی کے سامنے اظہار ممنوع نہیں بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے نیک سیرت، مخیّر اور صاحب جمال لوگوں سے سوال کی اجازت فرمائی ہے۔ اگر مستحقین کا سوال کرنا بالکل ناجائز ہو تو پھر زکوٰۃ و صدقات کہاں جائیں۔

آدابِ مسجد: ۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت آداب کو ملحوظ رکھنا لازمی امر ہے کیونکہ تم بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو رہے ہو۔نہایت ہی عجز کے ساتھ پہلے دایاں پاؤں آہستگی سے رکھو اور السلام علیکم کہو اور نہایت ہی عجز و انکساری کے ساتھ

عبادات میں مشغول ہوؤ۔ اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور جب تک قیام کرو، رب العزت کے جلال اور عظمت پر نگاہ رکھو اور مودب رہو۔ جب باہر آنا مقصود ہو تو پہلے بایاں پاؤں باہر رکھو اور حق تعالیٰ سے دوبارہ حاضری کی توفیق چاہو۔

قبرستان کے آداب:۔ جب قبرستان میں داخل ہو تو السلام علیکم یا اہل القبور کہو اور فاتحہ خوانی کرو۔

قبرستان میں شوخی وشرارت اور قہقہہ گناہ کبیرہ ہے کیونکہ قبرستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ کھیل کود کی جگہ ہے۔

قبرستان میں عمداً کھانا یا پانی پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمداً کھائے، وہ ملعون اور منافق ہے کیونکہ قبرستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص وہوا کا۔

اے عزیزو! جسے موت آنی ہے، اور روزِ قیامت کا دن اسے پیش آنا ہے، اسے خواب وقرار اور خندہ وخوشدلی سے کیا واسطہ اور دنیا کے دوسرے کاموں میں مشغولیت اسے کس طرح بھلی معلوم ہوسکتی ہے؟

اے عزیز! اگر تمہیں مردوں کا حال ذرہ بھر بھی معلوم ہو جائے کہ چیونٹیوں اور سانپوں کے بس میں ہیں اور مٹی کے قید خانے میں ان پر طرح طرح کا عذاب نازل ہو رہا ہے، تو تیرے جسم کا گوشت پوست گر پڑے اور تم کھڑے کھڑے نمک کی طرح پانی بن جاؤ گے۔

جس نے جو کچھ پایا خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر تجاوز نہ کرے اور ہر وقت مؤدب رہے۔ مرشد جو کچھ فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجا لائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال کے لیے ہی فرمائے گا۔

مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر ومرشد کا فرمان ہو صدق دل سے بجالائے اور جو بھی اوراد ووظائف اسے عطا کیے ہوں اس کا ورد ترک نہ کرے اگر دن میں کسی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو رات کے وقت ضرور بالضرور پڑھ لے مگر قضا نہ کرے۔

مرید کو لازم ہے کہ اپنے پیر ومرشد کی خدمت ذوق شوق اور صدق دل سے بجالائے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر متواتر خدمت بجا نہ لا سکے تو کم از کم اس بات کی کوشش ضرور کرے۔

جو شخص اپنے پیر ومرشد کی خدمت صدق دل سے بجالاتا ہے اور ان کے فرمودہ ارشادات پر عمل کرتا ہے، اس کو حق تعالیٰ بے شمار انعامات سے نوازتا ہے اور اس کو جنت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔

جو اوراد وظائف ہمارے خواجگان سے منقول ہیں وہ ہم پڑھتے ہیں۔ تم بھی پڑھو اور وظیفے میں ناغہ نہ کرو۔ ورد کا تارک لعنتی ہے۔

انبیاء، اولیاء، مشائخ اور مردانِ خدا ذکر الٰہی کا نہایت التزام فرماتے ہیں اور جو کچھ حق تعالیٰ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ پہنچتا ہے، اسے بجالاتے ہیں۔

جب ذکر وفکر اور اطاعت میں خوشی وسرور حاصل ہونا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ حجابات دور ہونا شروع ہو گئے اور مقام قرب ورضا حاصل ہونا شروع ہو گیا۔

اگر کوئی برا شخص نیکوں کی صحبت میں رہے تو وہ نیک ہو جائے گا اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا کیونکہ جس کسی نے کچھ حاصل کیا صحبت سے حاصل کیا اور جو نعمت حاصل ہوئی وہ نیکوں سے ہوئی۔

جو شخص علماء و مشائخ سے محبت رکھتا ہے، حق تعالیٰ اس سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے از روئے حسد منہ پھیر لیتا ہے، وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

طالب صادق پر لازم ہے کہ درویشوں کی خدمت کرے تا کہ بزرگ بن جائے۔

علماء و مشائخ والدین سے زیادہ مہربان ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ والدین تو بچوں کو دنیاوی خوف اور آگ سے بچاتے ہیں اور امت محمدی کے علماء و مشائخ انھیں دوزخ کی آگ اور قیامت کے خوف سے محفوظ رکھتے ہیں اور ظاہری و باطنی اصلاح کرنے والے ہوتے ہیں۔

حق تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اہلِ علم میں خوف اور خشیت کی صفت پائی جاتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

.....**اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا** ط.....(سورۃ فاطر:28)

بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں۔

علماء مخلوقات خدا کو شریعت کا درس دیتے ہیں اور مشائخ اپنے تصرفات سے مخلوقاتِ الٰہی کے باطن کی اصلاح فرماتے ہیں۔

❀❀❀❀❀

طہارت

جب کوئی ظاہری طہارت سے آراستہ ہوکر بارگاہ عزوجل میں جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ باطنی طہارت سے بھی آراستہ ہو۔اس کا باطن نفاق، حسد، بغض اور کینے جیسی آلائشوں سے پاک ہواور توحید خالص سے آباد ہو، ورنہ اس کی کوئی بھی عبادت معتبر نہ ہوگی۔

فرمانِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت باوضو رہے۔

ایمان لانے کے بعد سب سے پہلی چیز جو بندے پر فرض ہے، طہارت ہے۔یعنی طہارت ظاہری و باطنی۔طہارت ظاہری سے مراد جسمانی ہےاور باطنی سے مراد دلی طہارت ہے۔جیسا کہ جسم کی طہارت کے بغیر کوئی بھی عبادت درست نہیں ہوتی، اسی طرح دل کی طہارت کے بغیر معرفت بھی درست نہیں ہوتی۔جیسا کہ جسمانی طہارت کے لیے خالص پانی کی ضرورت ہے اور دوسری اشیاء سے ملا ہوا مستعمل پانی درکار نہیں اسی طرح دل کی طہارت کے لیے خالص توحید الٰہی چاہیے۔خلط ملط اور پریشان اعتقاد درکار نہیں۔

جو شخص ظاہر میں طہارت پر مداومت کرتا ہے، ملائکہ اس کو دوست رکھتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔جو شخص باطن میں توحید الٰہی پر قائم رہے اس کو حق تعالیٰ دوست رکھتا ہے۔

طہارت کے چار درجے ہیں:

اول: ابتدائی مقامات مراد ہیں جس میں بدن، جامے اور مکان کی طہارت مقصود ہے۔یعنی ان کو حدث اور غلاظت ظاہری و پلیدی سے پاک رکھنا مطلوب ہے۔مثلاً ناخن ترشوانا، مونچھوں کا کٹوانا، نجاستِ غلیظہ کا بدن سے دور کرنا اور جنابت سے پاک ہونا۔یہ درجہ عام طہارت کا ہے۔یہ طہارت اہلِ شریعت کی ہے۔

دوم: گناہوں کی میل اور معاصی کی آلائش سے ظاہری اعضا کو صاف کرتے رہنا، یہ طہارت ابرار کی ہے۔

سوئم: صفات ذمیمہ کی کدورت سے نفس کو پاک کرنا۔یہ طہارت سالکوں کی ہے۔

چہارم: غیرِ حق اور غیر سے دل کو صاف رکھنا۔یہ طہارت صدیقوں کی ہے۔

وضو کرتے وقت صرف اعضاء اور جوارح کے پاک کرنے کا ہی خیال نہ رکھے بلکہ دل، جو انوار الٰہی اور معارف غیر متناہی کے القاء کا مقام ہے، اسے صاف کرنے کی کوشش کرے۔یہ وہ تطہیر (پاکی) ہے جو حق تعالیٰ کی نظر میں منظور ہے۔

طالبانِ حق کے طہارت کے دوم، سوئم، چہارم درجات علی الترتیب طریقت اور معرفت وحقیقت کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔

جو شخص باطہارت سوتا ہے، فرشتے اس کی روح کو عرش معلیٰ کے نیچے لے جاتے ہیں اور اسے نوری خلعت پہنائی جاتی ہے۔روح حضورِ حق فوراً سربسجود ہو جاتی ہے۔فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ اور اس کی حفاظت کرو۔

وضو کا طریقہ

شریعت کے مطابق تین مرتبہ ہر اعضاء کا دھونا ضروری ہے مثلاً استنجا کرنا، ہاتھوں کا دھونا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ دھونا، کہنیوں تک ہاتھوں کا دھونا، سر کا مسح کرنا اور پیر دھونا۔ پانی نہ ملنے پر یا مرض کی شدت میں تیمّم کرنا بھی جائز ہے۔

ظاہر کی طرح باطنی وضو بھی لازمی امر ہے۔ تاکہ ظاہر، باطن کے موافق ہو۔

جب استنجا کرے تو چاہیے کہ جس طرح اس نے ظاہری نجاست سے نجات پائی ہے، اسی طرح باطن میں غیر کی محبت سے بھی نجات پائے۔

جب ہاتھوں کو دھوئے تو چاہیے کہ اپنی تمام لذات دنیاوی سے ہاتھ اٹھالے۔

جب منہ میں پانی ڈالے تو چاہیے کہ اپنے منہ کو غیر کے ذکر سے خالی کر دے۔

جب ناک میں پانی ڈالے تو چاہیے کہ تمام ناجائز چیزوں کے سونگھنے کو اپنے اوپر حرام کر دے۔

جب منہ دھوئے تو چاہیے کہ تمام مرغوباتِ نفس سے یک لخت اعراض کرے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرے۔

جب سر کا مسح کرے تو چاہیے کہ اپنے تمام امور کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

جب پاؤں دھوئے تو چاہیے کہ سوائے موافق حکم الٰہی کے کھڑا نہ ہو کہ دونوں طہارتیں حاصل ہو جائیں۔

شریعت کے تمام ظاہری ارکان، باطن کے امور سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ ایمان میں بظاہر زبان کا قول، دل کی تصدیق کے ساتھ وابستہ ہے اور بندگی کے احکام، ظاہر بدن پر دل کی نیت کے ساتھ مربوط ہیں۔

دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی حیرانی میں تدبر اور تفکر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ دنیا ایک سرائے ہے، بے وفا مقام ہے اور فانی ہے۔ لہٰذا دل کو اس سے خالی کر دے۔

جب کوئی شخص ظاہر میں عمل کا قصد کرے تو اسے چاہیے کہ ظاہر میں وضو کرے اور جب باطن میں قرب حق کا قصد کرے تو اسے چاہیے کہ باطن کی طہارت کرے۔ ظاہر کی طہارت پانی سے ہوتی ہے اور باطن کی طہارت توبہ کرنے اور حق تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنے سے ہوتی ہے۔

❋❋❋❋❋

توبہ

توبہ کے معنی ہیں اپنے گناہوں پر نادم ہونا اور پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کی طرف جھکنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمم عزم کرنا۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا معصوم ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔

خطا کا ارتکاب کرنا برا اور قابلِ مذمت ہے اور خطا سے نیکی کی طرف رجوع کرنا اچھا اور قابلِ ستائش ہے۔ یہ توبہ عام ہے اور اس کا حکم ظاہر ہے۔

جب تک زیادہ نیکی حاصل نہ ہو اور معمولی نیک کام پر قرار پکڑنا اور راستے ہی میں ٹھہر جانا، ایک حجاب ہے۔ نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف رجوع کرنا اہلِ ہمت کا کام ہے اور اولیاء کے درجہ میں بہت ستائش کے قابل ہے۔ یہ توبہ خاص ہے۔

اہلِ محبت کی توبہ یہ ہے: اول ندامت، دوم گناہوں کا چھوڑ دینا، سوئم اپنے تئیں ظلم و جھگڑے سے پاک رکھنا۔

سالکانِ راہِ حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ جیسا کہ طالبانِ عمل کا پہلا درجہ طہارت ہے۔

فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں دیتا۔

فرمانِ حق تعالیٰ ہے کہ میں توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہوں۔

وہ فعل جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، سے محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے باز آ جانا، توبہ کی حقیقت ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ ہے کہ فعلِ بد سے پشیمانی توبہ ہے۔ یہ ایک ایسا قول ہے جس میں توبہ کی تمام شرطیں موجود ہیں۔

توبہ کی ایک شرط تو مخالفتِ احکامِ الٰہی پر افسوس کرنا ہے۔

توبہ کی دوسری شرط لغزش کو فوراً چھوڑ دینا ہے۔

توبہ کی تیسری شرط معصیت کی طرف نہ لوٹنے کا قصد کرنا ہے۔

تینوں شرطیں ندامت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کیونکہ جب دل میں کیے پر ندامت پیدا ہوتی ہے تو باقی دو شرطیں اس کے ساتھ خود بخود آ جاتی ہیں۔

ندامت اور پشیمانی کے تین اسباب ہیں:

اول: یہ ہے کہ جب عذاب کا خوف دل پر غلبہ پاتا ہے اور برے افعال پر دل میں غم پیدا ہوتا ہے تو ندامت حاصل ہوتی ہے۔

دوم: یہ کہ نعمت کی خواہش دل پر غالب آ جائے اور معلوم ہو کہ برے فعل اور نافرمانی سے وہ نعمت حاصل نہیں ہوگی تو برے فعل سے پشیمانی حاصل ہوگی۔

سوئم: یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کے سامنے اپنی بے نقابی کے تصور سے خائف ہو کر برے افعال پر نادم ہونا۔

ندامت اور پشیمانی کے تین مقام ہیں:

پہلا، تائب یعنی توبہ کرنے والا۔

دوسرا، منیب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف انابت (رجوع) کرنے والا۔

تیسرا، اواب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

توبہ کے تین مقام ہیں:

پہلا توبہ۔ دوسرا انابت۔ تیسرا ادبت۔

توبہ کا مقام عذابِ الٰہی کے خوف کے لیے ہوتا ہے۔

انابت کا مقام طلبِ ثواب کے لیے ہوتا ہے۔

ادبت کا مقام فرمانِ حق کی رعایت کے لیے ہوتا ہے۔

توبہ عام مومنین کا مقام ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے ایمان والو! حق تعالیٰ کی جناب میں سچی اور پکی توبہ کرو۔

انابت اولیاء اور مقربانِ حق کا مقام ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

جو شخص رحم کرنے والے اللہ سے بن دیکھے ڈر گیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔

ادبت انبیاء و مرسلین کا مقام ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا ہے۔

توبہ گناہ کبیرہ سے حق تعالیٰ سبحانہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے حضور میں رجوع کرنا ہے۔ جیسا کہ فرمان حق تعالیٰ ہے: اور وہ لوگ کہ جب انھوں نے کوئی برا فعل کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

توبہ صغیرہ گناہوں سے حق تعالیٰ سے محبت کرنے کے باعث رجوع کرنا ہے۔

توبہ نیکی سے زیادہ نیکی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تیری طرف رجوع کیا۔

توبہ اپنی ذات کو چھوڑ کر، حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ اس کی مثال وہ ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اطہر نے ارشاد فرمایا: توبہ مجھ پر آسان کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ میں ہر روز ستر بار اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔

توبہ بوجہ خوفِ الٰہی کے، کشف سے ہوتی ہے اور توبہ بوجہ حیاء، حق تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ سے ہوتی ہے۔ پس ایک تو جلالِ الٰہی میں خوف کی آگ سے جل رہا ہے اور دوسرا جمالِ حق میں حیاء کے نور سے روشن ہو رہا ہے۔ گویا ایک مست اور دوسرا بے ہوش ہوتا ہے۔ اہلِ حیاء اصحابِ سکر اور اہلِ خوف اصحابِ صحو ہوتے ہیں۔

قرب

قرب دوطرح کا ہوتا ہے:

(۱) قربِ نوافل (۲) قربِ فرائض

قربِ نوافل، بشری صفات کا زوال اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظہور ہے۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ زندہ کرے اور مارے اور نہ صرف اپنے کان اور آنکھ ہی سے اس کا سننا اور دیکھنا ہو، بلکہ تمام جسم کے ساتھ سنے اور دیکھے۔ آوازوں کو دور سے بھی سن سکے۔ سب صفات اسی طرح ہو جائیں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں بندے کی صفات فنا ہو جائیں۔

لفظ، فنائے صفات یا زوالِ صفات سے اس کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ فنا سے مراد فنائے آثار ہے اور ممکن کا فنا واجب میں اس طرح ہوتا ہے کہ واجب کے ظہور کے وقت امکانی آثار مضمحل ہو جائیں۔ جیسے چراغ کا نور آفتاب نیمروز میں مضمحل ہو جاتا ہے۔ جب ممکن کی واجب کے ساتھ مقاربت ہوتی ہے تو اس کا اثر باقی نہیں رہتا ہے۔ چنانچہ مقام فنا کی صورت میں صفات عبدی، صفاتِ حق میں محو ہو جاتی ہیں۔ گویا حق تعالیٰ فاعل اور بندہ اس کا اوزار ہوتا ہے۔ قرب نوافل میں عبودیت کی جہت مغلوب اور حقانی جہت غالب ہوتی ہے۔

قرب فرائض اس کو کہتے ہیں کہ بندہ پورے طور پر تمام موجودات کے شعور سے یہاں تک کہ اپنے آپ کے شعور سے بھی فنا ہو جائے۔ اس حد تک کہ اس کی نظر میں سوائے وجود حق سبحانہ تعالیٰ کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ بندے کے اللہ تعالیٰ میں فنا ہونے کے یہی معنی ہیں اور یہی فرائض کا نتیجہ ہے۔

سالک کا فرض اول یہ ہے کہ وہ ادبِ شریعت پر پابند رہے، ورنہ ادب طریقت اور معرفت سے محروم رہے گا۔ لہٰذا جس نے ادبِ شریعت کے مرتبہ اول کو ترک کیا، وہ دیگر مراتب پر کیسے ترقی کر سکتا ہے۔

ادب کی یہ اقسام ہیں:

اول: ادب یعنی حدود شرع پر قائم رہنا۔

دوم: خدمت

سوئم: آدابِ طریقت یعنی تطہیر دل، حفظِ اوقات، ایفائے وعدہ یا عہد کا پورا کرنا، مراعاتِ اسرار۔ نیز اس کا نام ادبِ خواص ہے۔

چہارم: ادب معرفتِ حق تعالیٰ سبحانہ کے حقوق میں امتیاز کرنا ہے۔ اسے آدابِ حق بھی کہتے ہیں اور یہ ادب خصوصیت کے ساتھ اولیاء اللہ کا حصہ ہے۔

❀❀❀❀❀

عالمِ مثال

اس سے مراد اشیاء کونیہ مرکبہ لطیفہ ہیں جو نہ جز و جز و ہونے اور نہ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور نہ پھٹنے اور جڑنے کو قبول کرتی ہیں۔ عالم مثال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ کل جسمانی صورتوں پر شامل ہے۔ یہ ان اعیان وحقائق کی وجہ پہلی صورتیں ہیں جو علم الٰہی میں موجود ہیں اور اس کو خیال مفصل بھی کہتے ہیں۔

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ جبرائیل امین کو سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں اور ہر ایک پر صبح وشام نہر حیات میں داخل ہو کر ہلاتے ہیں جس کے قطرات سے اللہ تعالیٰ کئی ہزار یعنی بے شمار فرشتے پیدا کرتا ہے۔ عوام الناس کا خیال اس عالم تک نہیں پہنچتا الا ماشا اللہ۔ یہ تمام موجودہ حسی صورتیں جو ہم دیکھ رہے ہیں، اس عالمِ مثال کا ظل ہیں۔ اسی لیے اہل کشف اپنی فراست کشفی کے سبب بعض اوقات کسی بندے کی صورت سے اس بندے کا حال معلوم کرتے ہیں۔

فرمان نبی ﷺ ہے:

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ (سنن الترمذی)

مومن کی فراست سے بچو (ڈرو)۔ بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا:

دجال کی پیشانی پر حروف ''ک۔ا۔ف۔ر'' کندہ ہوں گے جن کو ایمان دار کے سوا کوئی نہ پڑھ سکے گا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

عالمِ اجسام

اس سے مراد اشیائے کونیہ مرکبہ کثیفہ ہیں جو ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو اور جدا جدا ہونے کو قبول کرتی ہیں۔

جو چیز طول، عرض اور عمق رکھتی ہے، اسے جسم کہتے ہیں اور جسم کونی اس مقدار کو کہتے ہیں جس کے واسطے طول و عرض و عمق ہے۔ ایک جسم دو چیزوں سے مرکب ہوتا ہے۔ ایک کا نام ہیولیٰ اور دوسری چیز کا نام تسمیہ ہے۔ ہیولیٰ ایک جوہر ہے اور صورت جسمیہ کا محل ہے۔ اس کو دس ہیولیٰ پر تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا ہیولیٰ عالمِ کون وفساد کا جو اربعہ عناصر (مٹی، پانی، ہوا اور آگ) تک محدود ہے۔ دوسرا ہیولیٰ پہلے آسمان کا۔ تیسرا ہیولیٰ دوسرے آسمان کا۔ چوتھا ہیولیٰ تیسرے آسمان کا۔ پانچواں ہیولیٰ چوتھے آسمان کا۔ چھٹا ہیولیٰ پانچویں آسمان کا۔ ساتواں ہیولیٰ چھٹے آسمان کا۔ آٹھواں ہیولیٰ ساتویں آسمان کا۔ نواں ہیولیٰ کرسی کا۔ دسواں ہیولیٰ عرش کا۔

عالم کون ومکان کے فساد تین چیزوں پر منحصر ہیں جن کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں، یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات۔ ان کا اطلاق پتھروں اور معدنی چیزوں پر ہوتا ہے۔

انسان از قسم حیوانات سے ہے لیکن باوجود نشوونما پانے اور احساس متحرک بالا رادہ ہونے کے، کلیات اور جزئیات کا بھی ارادہ کرتا ہے۔ ناطق ہونے کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہے۔

انسانی کاروبار فرشتوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ فرشتے انسان کی تابعداری کرتے ہیں۔ مثلاً انسان کے لقمہ نگلنے پر دو فرشتے کام کرتے ہیں۔ ایک اوپر سے نیچے دھکیلتا ہے اور دوسرا نیچے کو کھینچتا ہے۔ ایسی صورت میں فرشتوں کی اطاعت اور سجدے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

نورانیہ، روحانیہ، وحدت اور احدیت کا مرتبہ جامعیت ہے۔ وہ پچھلی تجلی اور آخری لباس ہے اور اس کا نام انسان ہے۔ اس مقام کی یہ تفصیل ہے کہ اگر وجود کو من حیث الوجود یعنی وجود ہی تسلیم کیا جائے اور اس کے اسماء وصفات کو محو کر دیا جائے تو اس مرتبہ کا نام احدیت، جمع الجمع اور حقیقت الحقائق ہے۔ اگر اس وجود کو اس کے کلی اور جزئیات لازمیہ کے ساتھ اعتبار کیا جائے یعنی تمام اسماء اور صفات کے ساتھ مان لیا جائے تو یہ اس کی الٰہیت اور ربوبیت کا مرکز ہے۔ اس کو احدیت اور مقام جمع کہا جاتا ہے۔ انسان کامل کا مرتبہ جملہ مراتب مذکور پر حاوی ہے۔ غرض مراتب الٰہیہ کونیہ عمائیہ یہ تمام خوبیاں اس میں مضمر ہیں۔ یہ تمام مراتب ایک ذاتِ حق کے لحاظ سے ظاہر ہوئے ہیں اور فانی لحاظ سے یہ تمام مراتب ایک دوسرے کے عین مطابق ہیں۔

پہلا مرتبہ ان میں لاظہور کا ہے۔ بقایا قدرے قلیلاً ظہور کلیہ کے مراتب ہیں اور ان میں سے اخیر مرتبہ یعنی انسان جب وہ عروج کرتا ہے تو اس میں تمام مراتب مذکورہ اپنے پھیلاؤ کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کو انسان کامل کہا جاتا ہے۔ عروج کمالات اور سب مراتب کا پھیلاؤ، کامل طور پر ہمارے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اطہر کی شکل میں ظاہر ہوا، یہی

وجہ ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے خاتم ہیں۔

اس لفظ اول سے مراد لاتعین اور اطلاق کا ہے۔ باقی سے مراد وحدت اور احدیت، ارواح، مثال، اجسام اور انسان ہے جن میں ذاتِ حق نے مرتبہ درمرتبہ ظہور فرمایا اور مرتبہ انسان پر دہ ظہور پر ختم ہوا۔ اس ظہور کے مراتب کو نزول کہتے ہیں۔ جب انسان ان مراتب کو عبور کر کے سیر الی اللہ کرتا ہے تو اسے عروج کہا جاتا ہے۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ سیر الی اللہ متناہی ہے۔ یعنی اس کے لیے ایک حد مقرر ہے اور سیر فی اللہ لامتناہی ہے یعنی اس کے واسطے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جیسے ذاتِ حق غیر محدود ہے، ایسے ہی اس کی سیر بھی لامحدود ہے۔

عروجِ انسانی سے مراد دائرہ وجود کی ہر چار قوسوں یعنی ناسوت، ملکوت، جبروت و لاہوت کو طے کرنا ہے۔ ان مقامات کے نام اعمال کے لحاظ سے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت ہے۔ ان مقامات کو طے کرنے والا بالترتیب عام انسان، ولی، نبی یا فرشتہ ہے اور ان مقامات کے مراتب کو حیوانات، نباتات، جمادات، اور انسان کہتے ہیں۔ جس انسان میں کامل درجہ کا ظہور کمالات اور عروج موجود ہے، وہ حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ ہیں۔

اللہ، اللہ ہی ہے اگرچہ نزول کرتا ہے اور بندہ، بندہ ہی ہے اگرچہ عروج کرتا جائے۔ نزول سے مراد حق کا نزول مرتبہ انسانی تک ہے اور عروج سے مراد عبد کی ترقی مرتبہ اول تک ہے۔ باوجود اس نزول اور عروج کے حق، حق ہی ہے اور عبد، عبد ہی ہے۔ لاہوت، ناسوت، جبروت، ملکوت، کی منزلوں کو طے کرنا بچوں کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے طریقے مقرر ہیں۔ اولین طریقہ آداب کا ملحوظ رکھنا ہے۔

ادب کے معنی ہر چیز کی حد کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ ہم حق تعالیٰ سے توفیقِ ادب چاہتے ہیں کیونکہ بے ادب حق تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے۔ بے ادب تنہا خود ہی ذلیل و خوار نہیں ہوتا بلکہ وہ نابکار تمام جہاں میں آگ لگاتا ہے۔

جو اسماء مراتب الوہیت کے ہیں ان کا مراتب کون اور خلق پر بولنا جائز نہیں ہے۔

اس وجود کے لیے دو طرح کے کمال ہیں۔ ایک کمال ذاتی اور دوسرا اسمائی ہے۔ کمال ذاتی سے مراد حق تعالیٰ کا ظہور اپنے آپ پر، آپ میں اور اپنے لیے بدونِ لحاظ غیر اور غیریت کے ہے۔ اور اس کے کمال کو غنائے مطلق لازم ہے اور غنائے مطلق کے معنی حق تعالیٰ کا مشاہدہ تمام شانوں اور الٰہیہ اور کونیہ اعتباروں کو ان کے احکام اور لوازم و تقاضوں سمیت کلی اجمالی طور پر اپنے آپ میں بوجہ داخل ہونے کے بطون اور وحدتِ ذات میں مثل داخل ہونے تمام اعداد کے واحد عددی ہیں اور اس کا نام غنائے مطلق اس واسطے رکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اس مشاہدے کے باعث عالم کے ظہور سے تفصیلی طور پر بے پرواہ ہو گیا ہے اور اس کو حضور مشاہدہ کے لیے جہان اور جہانوں کی چیزوں کی طرف حاجت نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو تمام موجودات کا مشاہدہ اس کے بطون اور وحدت میں کل ہونے کے باعث حاصل ہے اور یہ مشاہدہ شہود عینی علمی کہلاتا ہے۔ مفصل چیز کا شہود مجمل میں ہے۔ کثیر کا شہود واحد میں ہے اور جیسے درخت کا شہود شاخوں اور پھل و گٹھلی میں مضمر ہے۔

یہ اسمائی کمال باعتبار تحقق اور ظہور کے عالم اور عالم والوں کی ہستی پر موقوف ہے اور اس کے معنی پہلے جو ذکر ہوئے ہیں، تفصیلی طور پر کامل مرشد کے سوا حاصل نہیں ہوتے ہیں۔

تحقیق وہ وجود تمام مرتبہ اطلاق کے اعتبار سے ان تمام جملہ اشیاء سے بری ہے اور وہ تمام موجودات پر محیط ہے جیسے موصوف اپنی صفات کو محیط ہوتا ہے۔ لیکن یہ احاطہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ ظرف کا اپنے مظروف کو یا کل کا اپنے جزو کو ہوتا ہے کیونکہ ذاتِ حق ایسی باتوں سے بزرگ و برتر ہے۔

وہ وجود اپنے محض اطلاق کی وجہ سے تمام موجودات کی ذاتوں میں سرایت کرنے والا ہے۔ اس طرح کہ وجود ان ذاتوں کا عین ہے۔ جیسا کہ یہ ذاتیں ظہور سے پہلے اس وجود میں اس وجود کی عین تھیں ایسا ہی اس وجود کی صفات کاملہ اپنی کلیت اور اطلاق کے اعتبار سے تمام موجودات میں سرایت کرنے والی ہیں۔ اس طرح کہ یہ صفاتِ کاملہ صفاتِ موجودات کے ضمن میں صفاتِ موجودات کی عین ہیں۔ جیسا کہ موجودات ظہور سے پہلے ان صفات کاملہ میں ان صفات کی عین تھیں اور یہ بات کہ عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ اعراض اور موجودہ وجود معروض ہے۔

'ھوٗ' سے صرف حقیقت احدیت مراد ہے۔ یعنی ذات اس حیثیت سے کہ وہ ذات ہے بغیر کسی صفت کے سوائے ذات کے اس کو کوئی اور نہیں پہچانتا ہے۔

اللہ لفظ 'ھوٗ' کا بدل ہے اور وہ اسم ذات مع جمیع صفات ہے۔ لفظ اللہ کو بدل میں لانے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذات پر زائد نہیں ہیں بلکہ وہ عین ذات ہیں جیسا کہ سورۂ اخلاص سے صاف ظاہر ہے۔

مَالِكُ الْمُلْكِ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَحْدَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوْ

یہی غور طلب نکتہ ہے جسے عارفانِ حق ہی جانتے ہیں۔ کفار و مشرکین پر اس کا اثر نہیں وہ توحید و رسالت کے منکر ہیں۔

اللہ الصمد (اللہ بے نیاز ہے)۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ (سورۃ محمد:38)

اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سات زمین اور آسمانوں کی بنیاد قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد پر رکھی گئی ہے اور اس کی صمدیت کے یہی معنی ہیں۔

اس عالم کے لیے تین محل ہیں۔ ایک کو 'تعینِ اولیٰ' کہتے ہیں اور اس میں 'شیون' نام رکھا جاتا ہے اور دوسرا 'تعینِ ثانی' ہے اور اس کا نام 'اعیانِ ثابتہ' رکھا جاتا ہے۔ تیسرا خارج میں ہے اور اس میں 'اعیان خارجیہ' نام رکھا جاتا ہے اور یہ کہ 'اعیان ثابتہ' نے وجود کی بو تک نہیں سونگھی ہے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ ان کے احکام و آثار ہیں۔ ہر ایک چیز میں وجود کا ادراک ہوتا ہے اور وجود کے ذریعے سے وہ چیز جانی جاتی ہے۔ جیسے کہ نور کی نسبت تمام رنگوں اور تمام شکلوں کے ساتھ ہے اور بوجہ ہمیشگی، ظہور اور اس کے غلبہ کے اس ادراک کو سوائے خاص لوگوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔

رنگوں کا وجود حقیقت میں اپنا نہیں بلکہ نوروں کا شعاع کے سبب نورانی عکس پڑتا ہے اور طرح طرح کے رنگ نظر آتے ہیں جو مختلف کیمیائی اشیاء یا حرارت کے استعمال سے اڑ جاتے ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اعراض اپنا وجود نہیں رکھتے بلکہ وہی ہستی مطلق رنگا رنگ اعتبارات کے ساتھ نظر آ رہی ہے جسے وجودِ ظلی کہتے ہیں اور صوفیا محض وہمی یا اعتباری نہیں کہتے

بلکہ وہ بطور حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ الحاصل یہ کہ عالم کو ہر آن میں فنا اور بقا ہے۔ جلالی اسماء فنا کرتے ہیں جسے عارفین حق کے سوا عام لوگ نہیں دیکھ سکتے۔

تمام موجودات وجود کی حیثیت سے حق تعالیٰ سبحانہ کے عین ہیں اور تعین کی حیثیت سے حق تعالیٰ سبحانہ کے غیر ہیں۔ غیریت اعتباری ہے لیکن تحقیق کی حیثیت سے کل حق تعالیٰ سبحانہ ہے۔ اس کی مثال پانی کے بلبلے، پانی کی لہر اور برف ہے۔ کیونکہ یہ سب تحقیق کی حیثیت سے پانی کے عین ہیں اور تعین کی حیثیت سے پانی کے غیر ہیں۔ ایسے ہی سراب اپنے تحقیق کی حیثیت سے ہوا کا عین ہے اور تعین کی حیثیت سے ہوا کا غیر ہے اور سراب حقیقت میں ہوا ہے جو پانی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

ہر ایک چیز کے دو اعتبار ہیں: ایک اعتبارِ وجود، دوسرا اعتبارِ تعین۔ ہر چیز حق کی عین ہے۔ دوسرے اعتبار سے ہر ایک چیز حق کی غیر ہے۔ یہ اعتبار محض وہمی نہیں بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

حقیقت اور اعتبارات کے مسائل سمجھنے کے لیے علم وحکمت اور بالخصوص علم حقیقت جاننے کی از حد ضرورت ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کے معانی پر بھی کامل عبور اور مہارت کی ضرورت لاحق ہے۔

دلائل شرعی جو وحدۃ الوجود پر دلالت کرتے ہیں، بہت سے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

اور اللہ ہی کا مشرق اور اللہ ہی کا مغرب ہے۔ جدھر کو پھرو ادھر ہی وجہ اللہ ہے۔

''میں بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہوں۔''

''جہاں تم ہو، وہ (اللہ) تمھارے ساتھ ہے''

اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ تمھاری بیعت کرتے ہیں، وہ ضرور اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

وہ اول اور آخر اور ظاہر اور باطن ہے، وہ ہر ایک چیز کو خوب جانتا ہے۔

اور تمھاری جانوں میں نشانیاں ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو؟

اے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جب میرے بندے تم سے میری بابت سوال کریں تو میں قریب ہوں۔

اے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو احاطہ کرنے والا ہے۔

علاوہ ازیں اس مضمون سے متعلقہ اور بھی آیات کریمہ ہیں۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم سب سے نچلی زمین پر رسی ڈالو تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ پر گرے گی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی اول ہے اور آخر ہے۔ ظاہر ہے اور باطن ہے۔ وہ ہر چیز کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے۔''

اس کے سوا اور بھی احادیث پاک ہیں۔

آئمہ دین، جو عارفانِ حق ہیں، ان کے فرمان بھی وحدۃ الوجو پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسے احکام بہت زیادہ ہیں۔ اگر

تم واصلِ حق ہونے کا عزمِ صمیم رکھتے ہو تو حضور ﷺ کی ذاتِ اطہر کی تابعداری اور سنت پر عمل کرو بعد ازاں وحدۃ الوجود کا مراقبہ کرو جو بالکل کلمہ کے معنی ہیں۔ نماز قائم کرو یقیناً نماز تمام برائیوں سے اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ حق تعالیٰ کی یاد بڑی چیز ہے۔ جو کچھ بھی تم کرتے ہو، حق تعالیٰ سبحانہ سب جانتا ہے۔ اس کے علم سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید کو تلاوت میں رکھو اور اس پر عمل کرو۔ جو شخص حق تعالیٰ سبحانہ اور حضور نبی ﷺ معظم کا باغی ہے، وہ واصل الی اللہ نہیں ہو سکتا۔

جب تم پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے غلبہ ہو جائے گا تو پھر تم کو اپنی وہمی انا کی نفی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ بلکہ تمھارے اندر سوائے اثباتِ حق تعالیٰ سبحانہ کے اور کچھ نہ رہے گا۔ اللہ تم کو اور ہم سب کو حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مقدس کے طفیل سے اس مقام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ تم پہلے اپنے انا ہونے کی نفی کرو اور انا ہونے کا مطلب تمھارا اپنی حقیقت اور اپنے باطن کو حق تعالیٰ سبحانہ کا غیر جاننا ہے۔ اور صرف اس انا ہونے کو نفی کیا جاتا ہے اور یہی بالکل الا اللہ کے معنی ہیں۔

سماع

حصول علم کے پانچ ذرائع ہیں، جنھیں حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ اس میں سے قوت سامعہ کو قوت باصرہ اور دوسرے حواس پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک دستور شرائع کا پہلا ذریعہ ہی قوت سامعہ ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے ہیں، انھوں نے پہلے احکام الٰہی سنائے پھر لوگ ایمان لائے۔

سماعتِ قرآن

تمام سننے والی چیزوں میں سماعتِ قرآن کا درجہ بہت بلند ہے۔ اس سے دل و دماغ میں فروغ، یقین و ایمان میں توانائی اور اشیائے کائنات کے متعلق حیات افروز درس ملتا ہے کیونکہ یہ اول سے آخر تک الہام ربانی ہے۔

کلام الٰہی کے پڑھنے والے کو حق تعالیٰ دو ثواب عطا فرماتا ہے۔ ایک پڑھنے کا دوسرا اسے دیکھنے کا۔ جو شخص پڑھتا ہے اس کا قلب منور ہو جاتا ہے اور دیکھنے سے حق تعالیٰ اس کی بینائی زیادہ کر دیتا ہے۔ پڑھنے والا اگر صدق دل سے پڑھے اور اس پر عمل بھی کرے، تو وہ عارفِ کامل بن جاتا ہے۔ ہر حرف کے بدلے میں اسے دس نیکیاں عطاء ہوتی ہیں اور اس کی دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔

یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یا کلام الٰہی سنے یا حضور نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی سنے تو اس کا دل نرم نہ ہو، ہیبتِ الٰہی سے اس کا اعتقاد راسخ اور ایمان میں پختگی نہ ہو۔

حقیقت میں مومن وہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، حضور نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی اور کلامِ الٰہی یا ذکرِ الٰہی سنے اور اس کے دل میں حلاوت و کیفیت پیدا نہ ہو تو وہ سمجھے کہ بڑا ہی حرماں نصیب ہے۔

اشعار کا سماع

اشعار نثر کی طرح، اچھے اور برے دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ صوفیہ نے ان اشعار کے سننے کو بالکل جائز قرار دیا ہے جو اسلام و ایمان کی وضاحت، اخلاقِ حسنہ کے درس اور خالقِ کائنات کے شواہد و معارف کے آئینہ دار ہوں۔ البتہ شرک و بدعت، فسق و فجور اور محرمات شرعیہ کا تذکرہ مذموم ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے سریلی آواز اور روح پرور نغمہ و ترنم اچھے نہیں لگتے، وہ بے حسی اور کور ذوقی کے باعث چوپائیوں سے بھی بدتر ہے۔ طبائع مختلف ہیں۔ کوئی شخص تمام لوگوں پر ایک حکم نہیں لگا سکتا۔ بہرکیف جو شخص حسِ لطیف سے عاری نہ ہو، وہ اچھی آوازوں سے کیف و سرور حاصل کر لیتا ہے۔ آوازوں کے سننے سے جو معانی اور جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں، اگر وہ حق ہوں، تو طبع حق کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اگر وہ باطل ہوں، تو طبیعت میں باطل راسخ ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر کسی کی طبع فسادی ہو تو وہ جو کچھ بھی سنے گا، سب فساد ہوگا۔ گویا سماع، آفتاب کی مانند ہے جو سب چیزوں کو روشن کرتا ہے مگر اس کی روشنی اور حرارت چیزوں کی صلاحیت کے مطابق اثر انداز ہوتی ہے۔ کسی پر کم اور کسی پر زیادہ۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سماع حسبِ ضرورت کرنا چاہیے۔ اسے عادت کے طور پر بالکل نہ اختیار کیا جائے تا کہ دل میں اس کی تعظیم قائم رہے۔

وجد و سماع اور رقص

راحت یا مصیبت سے خوشی یا غم کا تاثر وجد کہلاتا ہے۔ یہ رقص سے بالکل جداگانہ چیز ہے اور طالب و مطلوب کے درمیان ایک بھید ہے جو صرف وجدان ہی میں محسوس ہوتا ہے لیکن الفاظ سے ادا نہیں ہوسکتا۔

شریعت و طریقت دونوں رقص کے عدم جواز پر متفق ہیں۔ مشائخ نے ہر جگہ اس کی شدید مذمت کی ہے۔

اسرارِ حقیقی

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

ملک شام سے خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۳۲۹ھ، ۹۴۰ء) طلبِ مولیٰ میں سفر کرتے ہوئے عراق کے مشہور شہر بغداد شریف پہنچے اور وہاں کے مشہور بزرگ شہنشاہ اولیاء حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۹۸ھ، ۹۱۰ء) کی خانقاہ اقدس پر حاضر ہوئے۔

پہلی ملاقات پر حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

تمہارا کیا نام ہے؟

عرض کیا: ابو اسحاق شامی (رحمۃ اللہ علیہ)

فرمایا: آج سے لوگ تجھے ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے۔ چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہوگا، اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے۔ (خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص ۲۴۰)

خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کریم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق ہرات کے قریب خراسان میں ''چشت'' نام کے مقام پر قیام پذیر ہوئے اور زبردست روحانی نظام کا عظیم الشان مرکز قائم کیا۔ ماضی کی قریباً بارہ سو (۱۲۰۰) سال کی اسلامی تاریخ اس پیشگوئی کی صداقت کی دلیل اور مشائخ چشت کی اسلامی خدمات کی معترف ہے۔ خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی کے مطابق ان شاء اللہ سلسلہ چشتیہ کے عظیم القدر مشائخ تا قیامت خدمتِ خلق میں مصروف رہیں گے۔

آمدم برسرِ مطلب خواجہ ابو اسحاق چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اتباعِ شیخ میں فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی اور اپنے مرید خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو درس تصوف دیتے ہوئے فرمایا:

اے ابو احمد! درویشی عرب و عجم کی بادشاہی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر ابو اسحاق کو ملک سلیمان بھی دیں، تو خدا کی قسم وہ قبول نہیں کرے گا۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۳۹)

حضرت خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ علم روحانی سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ ابی محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو، ان سے خواجہ ابی یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو، ان سے خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو، ان سے خواجہ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ کو، خواجہ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نعمت باطنی حضرت خواجہ عثمان

ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ اطہر میں منتقل ہوئی۔حضرت خواجہ عثمانی ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخِ چشت کا روحانی اثاثہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ کے قلبِ اطہر میں نگاہِ پارسا سے منتقل فرمایا۔

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں روحانی اور سماجی انقلاب برپا کر دیا۔ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی بہت سادہ لیکن دل کش تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی (سیر الاولیاء، سیر العارفین، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۶)۔حضور سلطان الہند غریب النواز رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ پارسا میں کمال کا اثر تھا۔جس فاسق وکافر پر نگاہ پڑتی، وہ فسق وکفر سے توبہ کرتا اور پھر کبھی گناہ کے پاس تک نہ جاتا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کتبِ تاریخ میں درج ہے کہ آقائے دوجہاں نبی کریم ﷺ کے بعد حضور سلطان الہند حضرت خواجہ معین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ تعداد میں لوگوں کو مسلمان کیا۔آپ رحمۃ اللہ نے قریباً ایک کروڑ کے قریب لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔

حضور سلطان الہند غریب النواز رحمۃ اللہ علیہ نے حضور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضور قطب پاک رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا روحانی جانشین مقرر فرمایا۔آپ نے حضور قطب پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری و باطنی تربیت کمال توجہ وشفقت سے فرمائی۔ان حضرات کے تمام محاسن کا احاطہ عقلِ انسانی سے ممکن نہیں۔قارئین کے ذوق کی تسکین کی خاطر ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے جس سے مشائخ چشت کا عوام الناس سے گہرا قلبی وروحانی تعلق ثابت ہوتا ہے۔

> ''ایک مرتبہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرید سے ملنے کے لیے دہلی تشریف لائے تو انھیں یہ دیکھ کر بڑی تکلیف ہوئی کہ دہلی کا شیخ الاسلام، نجم الدین صغریٰ رحمۃ اللہ علیہ محض اس بنا پر قطب صاحب کا دہلی میں قیام پسند نہیں کرتا کہ لوگ ان سے بے حد عقیدت اور ارادت رکھتے ہیں۔انھوں نے قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ اجمیر لے جانے کا فیصلہ کیا۔جب عوام کو اس کی اطلاع ہوئی تو ان کے غم والم کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔جب حضور غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف کے لیے روانہ ہوئے تو شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ساتھ لے لیا۔اس خبر سے تمام شہر دہلی میں ایک تہلکہ پڑ گیا اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔تمام اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نکلے۔ جس جگہ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی خاک کو تبرکاً اٹھا لیتے تھے اور انتہا درجے کی بے قراری وآہ وزاری کرتے تھے۔شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ صورت دیکھی تو فرمایا:
>
> ''بابا بختیار تم یہیں رہو، کیونکہ خلقت تمھارے جانے سے اضطراب وبے قراری میں ہے۔میں ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب وکباب ہوں۔جاؤ میں نے اس شہر کو تمھاری پناہ میں چھوڑا۔''
>
> پس سلطان شمس الدین نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سعادتِ قدم بوسی حاصل کی اور شیخ قطب الدین (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہمراہ نہایت خوشی کے ساتھ شہر کی طرف متوجہ ہوا۔ادھر شیخ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔
>
> (سیر الاولیاء ص ۵۴، تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۲، ۱۵۳)

عرضِ مولف

قارئین کرام!

''اسرارِ حقیقی'' سلطان الہند، قطب الاولیاء، غریب نواز، خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے ان آٹھ مکتوبات کے ترجمے پر مشتمل ہے، جو آپ نے اپنے خلیفہ خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو تحریر فرمائے تھے۔''اسرارِ حقیقی جلد اول'' ایک مکتوب اور ''اسرارِ حقیقی جلد دوم'' سات مکتوبات پر مشتمل ہے۔

قارئین کرام!

ان مکتوبات کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر یہ مجموعہ ترتیب دیا گیا ہے۔ ہم ذات باری تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں ان مکتوبات کا ترجمہ ایک گلدستے کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔

ترجمے کے دوران اس بات کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے کہ اصل عبارت کے عین مطابق صحیح ترجمہ پیش کیا جائے۔ قرآنی آیات کے حوالہ جات بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

معزز قارئین سے درخواست ہے کہ بندہ کی کم علمی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اعلیٰ ذوق اور بلند فہم کے پیشِ نظر، جہاں ضروری سمجھیں، بندے کی رہنمائی فرما کر شکریے کا موقع دیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے توسل سے دنیا وآخرت میں اپنا اور اپنے محبوب ﷺ کا قربِ روحانی عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین شفیع المذنبین ﷺ

احقر العباد

محمود علی انجم چشتی نظامی

خلیفہ مجاز حضرت خواجہ محمد مسعود احمد چشتی نظامی رحمتہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو ترجمہ

مکتوب حضور سلطان الهندؒ

حضرت خواجہ **معین الدین چشتی** اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

اسرارِ حقیقی

کلمہ طیبہ کی حقیقت

محبّ ہمراز، اہلِ یقین، برادرم خواجہ قطب الدین دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) رب العلمین ہر کام میں تمھاری رہنمائی فرمائے۔ واضح ہو کہ بندہ فقیر معین الدین چشتی (رحمۃ اللہ علیہ) کو توحید کے چند نکتے اور ہدایت کے چند اسرار و رموز بارگاہ رسالت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ سے بطور فیض روحانی حاصل ہوئے ہیں جن پر میرا مکمل اعتماد اور اعتقاد ہے۔ انھیں نہایت توجہ سے سنو:

ایک بار حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے معرفت کے حقائق و دقائق یوں ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ):

مَنْ عَرَفَ اللّٰہُ لَایَقُوْلُ اللّٰہُ وَ مَنْ یَّقُوْلُ اللّٰہُ مَا عَرَفَ اللّٰہ۔

جس شخص کو معرفت الٰہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کو منھ سے اللہ اللہ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی اور جو منھ سے اللہ اللہ کہتا ہے تو سمجھ لو، کہ ابھی اسے معرفت الٰہی نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسی معرفت ہے کہ بندہ اپنے مالک کا نام ہی نہ لے اور اس کی یاد کو ترک کر بیٹھے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

.....**وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ** ط..... (سورۃ الحدید:4)

اور وہ تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو۔

پس اے عمرؓ! جو ذات ہر وقت ہمراہ ہو اور کسی وقت نظر سے اوجھل نہ ہو، اس کا یاد کرنا کیوں کر ضروری ہے؟

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ کہاں ہے؟

سرکار دو عالم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بندے کے دل میں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ بندے کا دل کہاں ہے؟

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ انسان کے جسم میں۔ لیکن یاد رہے کہ دل دو قسم کا ہوتا ہے: ایک دل مجازی، دوسرا دل حقیقی۔ اے عمرؓ حقیقی دل وہ ہے جو نہ دائیں جانب ہے نہ بائیں جانب، نہ اوپر کی طرف ہے نہ نیچے کی طرف، نہ دور ہے نہ نزدیک۔ لیکن اس حقیقی دل کی شناخت کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ محض ان مقربانِ الٰہی کا حصہ ہے جو حضورِ الٰہی میں ہمیشہ مستغرق رہتے ہیں کیونکہ مومن کا دل حقیقت میں عرش ہی ہوتا ہے۔

قَلْبَ الْمُؤْمِنُ عَرْشِ اللّٰہِ تَعَالٰی

حدیث دل اگر گویم گمان اندر نمی گنجد
کمال وصف دل ہر گز بہ بحر و بر نمی گنجد

بیا اے طالبِ صادق بحال خویش خوش بنگر
کہ تو در عالمے آمد کہ پائے سرنمی گنجد

اگر دل کی بات کہتا ہوں تو وہ خیال میں سموتی نہیں۔ دل کو جس کمال کی خوبیاں حاصل ہیں، وہ بحر و بر کی وسعتوں سے بھی زیادہ ہیں۔ اے سچے چاہنے والے! آ، اپنے احوال کو اچھی طرح دیکھ کہ تو ایک ایسی دنیا میں آیا ہے، جس کی وسعتیں نا قابلِ قیاس ہیں۔

صاحب دل کا یہ مرتبہ ہے ؎

دل چو جنبد می جنباند عرش را
عرش را دل فرش سازد زیر پاء
تو نمیدانی کہ صاحب دلِ عظیم
عرش را عزت بود از دلِ سلیم
دل کہ از اسرارِ خدا غافل است
دل نباید گفت کو مشتے گل است

جب دل لرزتا ہے تو عرش کو ہلا دیتا ہے۔ دل عرش کو اپنے پاؤں تلے جگہ دیتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ صاحبِ دل کتنا عظیم ہوتا ہے۔ منکسر دل سے ہی عرش کی عزت ہے۔ وہ دل جو اسرارِ خدا سے غافل ہے، اسے دل نہیں کہنا چاہیے، وہ تو مٹھی بھر خاک ہے۔

اور یہ قرب و حضوری بجز مرشدِ کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ کامل لوگ اور طالبان، سوال و جواب نہیں کیا کرتے، بلکہ وہ خاموش اور باادب رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَلْبَ الْمُؤْمِنُ حَاضِرَةٌ فِیْ ذِکْرَ الْخَفِیْ فَھُوَ حَیٌّ وَالْمُسْلِمُ غَافِلٌ عَنْ ذِکْرَ الْخَفِیْ فَھُوَ مَیِّتٌ۔

مومن کے دل میں ذکرِ خفی ہر وقت جاری رہتا ہے۔ لہٰذا اسے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور مسلم کا دل خفی ذکر سے چونکہ غافل ہوتا ہے، اس لیے وہ درحقیقت مردہ شمار ہوتا ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مومن اور مسلم میں کیا فرق ہے؟

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

مومن عارف الٰہی ہوتا ہے۔ اور عارف میں یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ خاموشی اور غمگینی کی حالت میں رہتا ہے اور مسلم زاہد اور خشک ہوتا ہے۔

اس کے بعد جناب سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الْمُؤْمِنُوْنَ یَجْتَمِعُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ وَ یَقُوْلُوْنَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

مومن وہ نہیں جو مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور زبانی طور پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں۔

اے عمرؓ! ایسے کلمہ گو حقیقت سے لاعلم اور بے خبر ہیں۔ یہ مومن نہیں ہیں، بلکہ منافق ہیں۔ کیونکہ زبان سے تو کلمے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن کلمے کے اصل معنی سے ناواقف ہیں۔ انھیں بالکل علم نہیں ہے کہ کلمہ سے اصل مقصود

کیا چیز ہے؟ یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ تو کہہ لیتے ہیں لیکن ان کو خبر نہیں کہ نیت سے کیا مراد ہے؟ ہست کا مطلب کیا ہے؟ اس طرح شک سے کہنا شرک ہے اور شرک وشک عین کفر ہے۔ ایسے کلمہ گو کافر کہلاتے ہیں۔ کیونکہ انھیں یہ نہیں معلوم کہ کلمہ طیبہ میں کس کی نفی مراد ہے اور کس کا اثبات مراد ہے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ پھر کلمہ طیبہ کا اصل مقصد کیا ہے؟

جناب سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے دنیا میں کوئی موجود نہیں ہے اور محمد ﷺ مظہر خدا ہیں۔ پس طالب الٰہی کو چاہیے کہ اپنے دل میں غیر اللہ کا خیال تک بھی نہ آنے دے، اور ذات خداوندی کو ہی ہر جگہ موجود سمجھے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

.....فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط..... (سورۃ البقرہ:115)

جدھر دیکھو خداوند تعالیٰ کا ظہور ہے۔

اے عمرؓ! جب سالک اپنی تمام صفات کو معدوم سمجھے اور صرف ذات الٰہی کو ہی موجود سمجھے، اس وقت وہ سالک مرتبہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اس مرتبے میں سالک کی حالت مندرجہ ذیل حدیث پاک کا عملی نمونہ بن جاتی ہے :

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ كَلَّ لِسَانُهٗ ۔

جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کی زبان بند ہوگئی۔

(کشف الخفاء: حدیث 2530، 2531)

اسم اللہ ذوق بخشد باوصال

بے زباں گوید سخن بس قیل و قال

مطلب یہ ہے کہ عارفِ کامل پر خاموشی وسکون کی حالت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ آہ وزاری اور بے چینی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک کہ مطلوب کا وصال حاصل نہیں ہوتا۔ جب طالب کو مطلوب مل جائے تو لازمی امر ہے کہ جو افعال اور حرکات طلب کی وجہ سے بے چینی میں اسے گھیرے رہتے تھے ان سب کا سلسلہ ختم ہو کر اس کی حالت پرسکون ہو جائے اور بجائے آہ وبکا اور قلق واضطراب کے اسے نہایت دلجمعی میں سکوت وسکون حاصل ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ عارف کامل صحیح معنوں میں شہنشاہ ہو جاتا ہے۔ اسے بجز ذات خداوندی کے، نہ کسی سے امید ہوتی ہے، نہ کسی کا ڈر۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد باری ہے :

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O (سورۃ یونس آیات 62)

آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو نہ کسی کا خوف ہوتا ہے نہ کسی کا غم۔

عارف کامل کی حالت یاد الٰہی سے بھی گزر جاتی ہے۔ اے عمرؓ! یقین جانو کہ جب تک سالک غیر اللہ کا وجود تک بھی اپنے دل سے نہ نکال دے، تب تک ایک قدم بھی معرفت کی راہ پر نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی عارف کامل بن سکتا ہے۔ کیونکہ یاد بھی ایک قسم کی دوئی ہے اور دوئی عارفین کے نزدیک عین کفر ہے۔ یہی کلمہ طیبہ کی حقیقت ہے۔

جب تک طالب اس حقیقت تک نہ پہنچے، اس وقت تک سچا موحد نہیں بن سکتا اور خدائے واحد کی عبادت کے دعویٰ میں سراسر جھوٹا ہے۔

نماز کی حقیقت

نمازِ حقیقی کے متعلق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اے عمرؓ! یاد رکھو کہ :

لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔

اگر دل حاضر نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

نمازِ حقیقی سے مومن کامل اور عارف الٰہی کو حضوری دائمی حاصل ہوتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزید ارشاد فرمایا کہ نماز دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک نماز علما و فقہا ظاہر اور زاہدانِ خشک کی جو صرف قول و فعل تک ہی محدود ہوتی ہے اور اس سے وصال الٰہی حاصل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی رسائی بھی عالم ملکوت نفسانی تک محدود رہتی ہے۔ دوسری نماز انبیاء و اولیاء اور خلفاء کی جو حضور قلب سے ادا کی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ وصالِ الٰہی ہے اور اس کی رسائی عالم جبروت رحمانی تک ہے۔

اے عمرؓ! نمازِ حقیقی دراصل یہی رحمانی نماز ہے۔ اس سے مراد وہ نماز نہیں جو عوام الناس ظاہری طور پر بغیر حضور قلب ادا کرتے ہیں۔ بغیر حضور قلب ادا کی گئی نماز نفسانی ہے، رحمانی نہیں ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً طَوِیْلَۃً فِی الْمَسْجِدِ وَ زَیْنَ الْبَدْنَ بِالْعَمَامَۃِ نَاظِرِ نَظْرُ الْخَلَائِقِ وَمَا کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِنْ عِجْزٍ فَھُوَ مَحْجُوْبٌ وَلَا صَلٰوۃَ وَلَا وِصَالَ۔

علماء ظاہر پرست اور صوفیانِ ریاکار خوب جبہ و دستار باندھ کر ظاہری شان و شوکت اور ٹھاٹھ بنا کر محض ریاکاری کی نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے نفس تکبر اور خود پسندی کے قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی نماز کیا حقیقت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ نفس کے بندے ہیں اور نفسانی آدمی دراصل شیطان بشکل انسان ہوتا ہے اور شیطان کافر اور گمراہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت گمراہ اور کافر ہیں۔ انھیں چاہیے کہ کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں رہ کر اپنے دل کو غرور اور نفسانیت کے خس و خاشاک سے پاک و صاف کریں اور معرفتِ الٰہی سے آراستہ اور آباد کریں تاکہ وہ صحیح معنوں میں انسان بن جائیں اور گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں۔ اگر وہ ان شرائط پر عمل کریں گے تو ان کی نماز حقیقی نماز ہوگی اور یہی نماز بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کے قابل ہوگی۔ خوش قسمتی سے ایسا حقیقی نمازی ہزاروں لاکھوں میں سے ایک آدھ بھی مل جائے تو اس کی خدمت و صحبت اکسیر سے کئی درجے بہتر ہے۔

یہ گمراہ دراصل بت پرست ہیں اور پھر تعجب ہے کہ یہ اپنی بت پرستی پر فخر بھی کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی عجیب جاہل اور نادان ہیں جو ایسے ریاکاروں کو نمازی سمجھتے ہیں۔ ایسی بے حقیقت نماز سے کیا فائدہ؟

حدیث قدسی:

اَلْاَنْبِيَاءُ وَ الْاَوْلِيَاءُ يُصَلُّوْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ دَآئِمُوْنَ

انبیاء اور اولیاء ہمیشہ حضورِ قلب سے نماز پڑھتے ہیں۔ (یعنی نماز حقیقی)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

صَلٰوۃُالْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ حَبْسُ الْحَوَاسِ وَ عَدَدَ الْاَنْفَاسِ

یعنی انبیاء اور اولیاء کی نماز درحقیقت وہ نماز ہوتی ہے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے حواسِ خمسہ غیر اللہ سے بند ہو جاتے ہیں اور ان کا ایک ایک سانس یادِ الٰہی میں گزرتا ہے۔ وہ اپنے ایک ایک سانس کا خیال و شمار رکھتے ہیں کہ کہیں غفلت میں نہ گزر جائے۔ یہی لوگ دراصل نمازی ہیں۔

اے عمرؓ! نماز حقیقی رحمانی ہے۔ اسی نماز سے پروردگارِ عالم سے وصل ہوتا ہے۔

اے عمرؓ! انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ ہمیشہ ذکر خفی میں رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

ذِكْرُ اللِّسَانُ لَقْلَقَةُ وَ ذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَ ذِكْرُ الرُّوْحِ مُشَاهَدَةٌ وَ ذِكْرُ الْخَفِيْ دَآئِماً۔

زبانی ذکر گویا لقلقہ (خوش بیانی) ہے، دلی ذکر ایک قسم کا وسوسہ ہے اور روحانی ذکر مشاہدہ الٰہی کا موجب ہے اور ذکر خفی ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔

اے عمرؓ! ذکرِ خفی اور نمازِ حقیقی، وجود کے ترک کرنے اور ذات باری تعالیٰ میں فنا ہونے کا نام ہے۔ ایسا نمازی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں سمجھتا اور غیر اللہ کا خیال دل سے بالکل نکال دیتا ہے۔

روزے کی حقیقت

اے عمرؓ! روزہ کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو تمام دینی و دنیوی خواہشات سے بند رکھے۔ کیونکہ خواہشات دینی (مثلاً خواہش بہشت وحور وغیرہ) عبد اور معبود کے درمیان حجاب (پردہ اور رکاوٹ) ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے بندہ اپنے معبودِ حقیقی کا وصال حاصل نہیں کرسکتا۔ اور خواہشات دُنیوی (مثلاً خواہش جاہ و مال، خواہش نفسانی وغیرہ) تو سراسر شرک ہے۔

غیر اللہ کی طرف فکر وخیال کرنا، قیامت کا خوف، بہشت کی ہوس اور آخرت کا فکر یہ سب روزہ حقیقی کو توڑنے والی چیزیں ہیں۔ روزہ حقیقی تب درست رہ سکتا ہے جب انسان خدا کے سوا ہر چیز کو اپنے دل سے فراموش کردے۔ یعنی غیر اللہ کا اسے بالکل علم نہ رہے اور ہر قسم کی امیدیں اور ہر طرح کا خوف اپنے دل سے نکال ڈالے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے :

رَغَبَتْ عَمَّا دُوْنَ اللّٰہِ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا دیدار مجھے مطلوب نہیں ہے۔ یعنی روزہ حقیقی کا افطار صرف دیدارِ الٰہی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے :

صُوْمُوْا بِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُوْا بِرُؤْيَتِهٖ۔

اے عمرؓ! روزہ حقیقی کی ابتدا اور انتہا بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ یعنی جاننا چاہیے کہ روزہ حقیقی کس چیز سے رکھا جاتا ہے اور کسی چیز پر افطار کیا جاتا ہے۔

سو واضح ہو کہ روزہ حقیقی کی ابتدا یہ ہے کہ انسان بتدریج معرفتِ الٰہی حاصل کرلے اور اس کی انتہا یعنی افطار یہ ہے کہ قیامت میں اسے دیدارِ الٰہی نصیب ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْاَ فْطَارِ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءَ رَبِّهٖ۔

روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت، دوسری دیدارِ الٰہی کے وقت۔

اے عمرؓ! عوام کے روزے میں پہلے روزہ ہے اور آخر میں افطار ہے۔ لیکن حقیقی روزے میں اول افطار ہے اور آخر میں روزہ ہے۔ دیکھو مجذوب سالک جو کہ خدا رسیدہ ہیں، وہ ہمیشہ صائم (روزہ دار) رہتے ہیں، کسی وقت بھی ان کا افطار نہیں ہوتا۔ کیونکہ روزہ حقیقی کے لیے افطار شرط نہیں، لیکن افطار کے لیے روزہ شرط ہے۔ یعنی واصلانِ الٰہی کے لیے یہ شرط نہیں کہ کبھی روزہ رکھو اور افطار کرو۔ وہ ہمیشہ ہی روزہ دار رہے ہیں۔

اے عمرؓ! تمام لوگ روزہ رکھتے ہیں، جس میں کھانے پینے سے اور جماع سے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ یہ حقیقی روزہ نہیں۔ بلکہ یہ روزہ مجازی ہے۔ ایسے روزے سے انھیں اسرارِ الٰہی کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ وہ زینت ظاہری میں مبتلا ہیں

اور حقیقت سے لاعلم ہیں۔ اس مجازی روزے میں غیر اللہ کا ترک نہیں ہوتا اور تمام خطرات نفسانی اور انسانی اس میں حائل رہتے ہیں۔ ایسے روزے دار کے قول و فعل سب غیر اللہ ہیں۔ ایسا روزہ مجازی ہے، اسے حقیقی اور رحمانی روزہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس ظاہری اور مجازی روزے سے بجز اس کے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ انسان روزہ رکھ کر ناداروں اور مفلسوں کی بھوک اور پیاس کا احساس کر سکے اور غریبوں اور مسکینوں کی امداد کر سکے۔ اس کے سوا اس ظاہری روزے سے اور کوئی فائدہ ممکن نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے :

مَنْ لَاشَیْخُ لَہٗ لَا دِیْنَ لَہٗ وَ مَنْ لَّا دِیْنَ لَہٗ لَا عِرْفَانَ لَہٗ وَ مَنْ لَّا عِرْفَانَ لَہٗ لَاحِزْبَ لَہٗ وَمَنْ لَّا حِزْبَ لَہٗ لَا اُنْسَ لَہٗ وَمَنْ لَّا اُنْسَ لَہٗ لَا مَوْلٰی لَہٗ

بے مرشد بے دین ہوتا ہے اور بے دین کو معرفتِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی اور جسے معرفت الٰہی حاصل نہیں، اس کا کسی صحیح جماعت سے تعلق نہیں ہوتا اور جس کا کسی صحیح جماعت سے تعلق نہ ہو، اس کا کوئی مُونس و غم خوار نہیں ہوتا اور جس کا کوئی مونس و غم خوار نہ ہو، اس کا کوئی دوست و مددگار نہیں ہوتا۔

ایک اور حدیث پاک ہے :

اِنَّ اَوْلِیَآئِیْ تَحْتَ قَبَآئِیْ لَایَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ۔

یعنی میرے اولیاء میری قبا کے نیچے ہیں۔ ان کے مرتبے کو میں ہی جانتا ہوں اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اے عمرؓ! سالکان غیر مجذوب کامل مرشد کی صحبت کے بغیر معرفت الٰہی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہی اصلاح باطنی کے بغیر عالم جبروت تک ان کی رسائی ہو سکتی ہے۔ وہ عالم ناسوت و ملکوت میں ہی بھٹکتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ شہوت پرست اور طالب شہرت ہیں۔

اے عمرؓ! جو علماء، فقہاء اور سالکین غیر مجذوب ہیں اور وہ کسی مرشد کامل کے فیض سے مستفیض نہیں ہوئے، وہ اسرارِ الٰہی سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہ لوگ دُنیوی زیب و زینت اور شہوتِ نفسانی کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔ گو وہ جبہ اور دستار اور صوفیائے کبار کا سا لباس پہنے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ان کی اندرونی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی حرص و ہوا اور خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ان کا مقصود اس جامہ فقیری سے خدا پرستی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اور صرف طالب جاہ و مال ہوتے ہیں۔ ان کا کلمہ اور نماز روزہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے۔

جو شخص محقق سالکوں کے زمرے میں داخل ہو جائے اور معرفت الٰہی میں پایہ کمال تک پہنچ جائے، اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ہستی اور خودی کو یکسر مٹا دے۔

جو لوگ اپنی خودی کو نہیں مٹاتے، خواہ وہ صوفیانہ لباس میں ہوں، وہ منزل عرفان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ انسان معرفتِ الٰہی کی منزل تک اس وقت نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ اپنی خودی اور ہستی کو یکسر فراموش نہ کر دے اور محض ذاتِ الٰہی اس کا ہر دم مطلوب نہ ہو۔

زکوٰۃ کی حقیقت

اے عمرؓ! سنو! از روئے شریعت دوسو دینار میں سے پانچ دینار زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے اور اہلِ طریقت کے نزدیک دوسو دینار میں سے پانچ دینار اپنے پاس رکھنے چاہییں۔ باقی سب کے سب مَدِّ زکوٰۃ میں صرف کر دینے لازم ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ زکوٰۃ آزاد پر فرض ہے، غلام پر فرض نہیں ہے۔ جب تک بندہ نفس کی بندگی سے نجات نہ پائے، اس وقت تک آزادوں کے زمرے میں داخل نہیں ہوسکتا اور جب آزاد ہی نہ ہوا تو اس پر زکوٰۃ کیونکر فرض ہوسکتی ہے۔

بندہ نفس کو سب سے پہلے نفس کی بندگی سے آزادی حاصل کرنی چاہیے تا کہ وہ زکوٰۃ حقیقی ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

نیز زکوٰۃ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے، دیوانہ و نابالغ پر فرض نہیں ہے۔ پس جس شخص پر غفلت و نفسانیت سوار ہو اور وہ ہمہ تن نفس و شیطان کے پنجوں میں گرفتار ہو، عارفانِ الٰہی کے نزدیک وہ عاقل و بالغ نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ایک نابالغ شیر خوار بچے کی مانند ہے اور اہلِ معرفت کے نزدیک اس کا ہونا یا نہ ہونا ایک برابر ہے۔ اس پر زکوٰۃ حقیقی کیونکر فرض ہوسکتی ہے۔ پس سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ بندہ نفسانیت کی قید سے نجات حاصل کرے تا کہ وہ معرفتِ الٰہی کی آزادی اور عقل سے سرفراز ہو کر حقیقی زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل بن جائے۔

زکوٰۃ ظاہری، جو شرعی طور پر مالِ دُنیوی پر فرض ہوتی ہے، اس میں محض یہ حکمت ہے کہ امیر لوگ زکوٰۃ کے بہانے سے غریبوں اور مفلسوں کی مدد کرسکیں اور غرباء اپنے خور و نوش کا انتظام سہولت و آسانی سے کرسکیں۔

اے عمرؓ! گنجِ حقیقی کی بجز عارفانِ الٰہی کے کسی کو خبر نہیں ہے۔ گنجِ حقیقی دراصل سرِ ربُوبیت ہے اور عارفین کے دل اس سرِ ربوبیت کے مخزن ہوتے ہیں۔ ان عارفین پر فرض ہے کہ وہ اپنے گنجینۂ حقیقی میں سے اسرارِ الٰہی کی زکوٰۃ گمراہوں اور نادانوں کو عطا فرما دیں اور گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کی راہنمائی فرما دیں کیونکہ مستحق کو اس کا حق دینا عین زکوٰۃ ہے۔

حج کی حقیقت

اے عمرؓ! یقین جانو کہ خانہ کعبہ انسان کا دل ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَيْتُ الرَّحْمٰنِ۔

یعنی انسان کا دل دراصل خانہ کعبہ ہے۔

آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد مبارک ہے:

قَلْبُ الْمُؤْمِنْ عَرْشُ اللّٰہِ تَعَالٰی۔

یعنی مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔

پس کعبہِ دل کا حج کرنا چاہیے۔ انسان کا وجود بمنزلہ ایک چاردیواری کے ہے۔ اگر اس چاردیواری میں سے شک و وہم غیر اللہ کا پردہ دور کر دیا جائے تو دل کے صحن میں خدا کی ذات کا جلوہ نظر آئے گا اور یہی دل کے کعبہ کا حج ہے۔ ایسا حقیقی حج کرنے سے یہ بھی مقصود ہے کہ انسان اپنی خودی و ہستی کو اس طرح مٹا دے کہ ہستی کا ذرہ بھر بھی باقی نہ رہے حتیٰ کہ ظاہر و باطن یکساں اور پاکیزہ ہو جائے اور دل صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی ہستی کو فنا کیونکر حاصل ہو سکتی ہے؟

محبوب حقیقی یعنی خدا تعالیٰ پر عاشق ہونے سے، جو شخص عاشق الٰہی ہو گیا، وہ فنا فی اللہ ہو گیا اور جو فنا فی اللہ ہو گیا، وہ ذاتِ حق کا مظہر ہو گیا۔

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ حضرت! دل کو خانہ خدا اور عرش الٰہی کیوں قرار دیا ہے؟

سرکار دو عالم ﷺ نے جواب دیا :

کہ ارشاد باری ہے :

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ O (سورۃ الذاریات:21)

اور خود تمھارے نفسوں میں بھی، پس کیا تم غور سے نہیں دیکھتے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! میں تمھارے اندر ہی ہوں پھر تم مجھے کیوں نہیں دیکھتے۔

اے عمرؓ! رہنے کی جگہ کو گھر کہتے ہیں۔ چونکہ خدا تعالیٰ دل میں رہتا ہے۔ لہٰذا دل کو خانہءِ خدا اور عرشِ الٰہی قرار دیا۔

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا:

یارسول اللہ ﷺ! اس خاک کے پتلے میں بولنے والا، سننے والا، جاننے والا اور دیکھنے والا کون ہے اور کیسا ہے؟

پیغمبر خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وہی (خدا) بولنے والا ہے، وہی سننے والا ہے اور وہی دیکھنے والا ہے۔

عمرؓ نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ ذاتِ خاص حضرت کیا ہے؟

پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا،

اَنَا اَحْمَدٌ بِلَامِيْمٍ

میں احمد ہوں بلا میم کے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ حضور کعبہ دل کا حج کون ادا کرتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

خود ذاتِ خداوندی یعنی جب نفس کی بندگی سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ صفاتِ الٰہی سے متصف ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں ذاتِ الٰہی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا بندے کے دل میں سمانا ہی کعبہِ دل کا حج (حج حقیقی) ہے۔

حضرت عمرؓ نے پھر سوال کیا کہ حضور ﷺ جب سب کچھ اسی ذات مقدس کا ظہور ہے تو پھر یہ رہنمائی کس کو اور کیونکر ہے؟

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کہ وہ خود ہی رہنما ہے اور خود اپنی ہی رہنمائی کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر یہ طرح طرح کے نقش و نگار کیوں ہیں؟

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

رہنمائی کی مثال سوداگری کی سی ہے کہ جس چیز کا کوئی گاہک ہو، سوداگر اسے وہی چیز دیتا ہے۔ گیہوں کے خریدار کو جو ہرگز نہیں دیے جاتے اور نہ ہی جو کے خریدار کو گیہوں دیے جاتے ہیں۔

اے عمرؓ! پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے اطباء یعنی جس طرح طبیب، مریض کی طبیعت اور مرض کے موافق دوا دیتا ہے اور اسی موافق طبع دوا سے اس مریض کو شفا حاصل ہوتی ہے، اسی طرح پیغمبر بھی روحانی ایمان داروں کو ان کی باطنی استعداد اور روحانی مرض کے موافق دوائے معرفت عطا فرماتے ہیں جس کی بدولت مریض روحانی شفائے کلی پا کر عارف الٰہی بن جاتا ہے۔

اے عمرؓ! سالکان طریقت کے چار گروہ ہیں اور ان چار گروہوں میں بلحاظ مراتب و استعدادِ باطنی، زمین و آسمان کا فرق ہے۔

پہلا گروہ عوام العالم میں عام مسلمانوں کا ہے۔ یہ لوگ اربابِ ظاہر کہلاتے ہیں اور راہِ شریعت پر چلنے والے ہیں۔ عشق الٰہی کی چار سیڑھیوں میں سے پہلی سیڑھی پر اہلِ شرع گامزن ہوتے ہیں لیکن اگر اسی سیڑھی پر رہیں، معرفت الٰہی کی اگلی سیڑھیوں پر چلنے کی کوشش نہ کریں، حتیٰ کہ ان کی عمر ختم ہو جائے تو یہ لوگ دین و دنیا سے محروم اور ظاہر پرست ہو کر مر جاتے ہیں۔ یہ گروہ اہلِ شریعت کہلاتا ہے۔ دوسرا گروہ عوام الخاص کا ہے۔ ان لوگوں میں دونوں پہلو پائے جاتے ہیں، عوام کا بھی اور خواص کا بھی۔ یہ گروہ روحانیت کی طرف متوجہ تو ہوتا ہے لیکن چونکہ رموزِ باطنی سے بے بہرہ ہوتے ہیں اس لیے کبھی دنیا کے طالب ہوتے ہیں، کبھی دین کے طالب۔ لہٰذا ان کی باطنی آنکھیں نورِ باطنی سے پورے طور پر منور نہیں ہوتیں۔ اس گروہ کو اہلِ طریقت کہتے ہیں۔ تیسرا گروہ خاص الخاص کا ہے۔ انھیں اہلِ معرفت بولتے ہیں۔

''چوتھا گروہ سب سے خاص بندوں کا ہے جنہیں اخص کہتے ہیں۔ یہ لوگ اہلِ حقیقت ہوتے ہیں۔'' (مترجم)

اے عمرؓ! ہدایت و رہنمائی طالب کی استعداد اور جنس کے موافق ہوا کرتی ہے۔ یہ اسرارِ الٰہی کی نعمتِ عظمٰی نااہل عوام الناس کو نہیں دی جاتی۔ کیونکہ ان کو ایسی نعمت دینا اس نعمت کی ناقدرشناسی ہے۔ نیز چونکہ وہ اس نعمت کے متحمل نہیں ہو سکتے، لہٰذا ان کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ ذات رحمان کیا ہے؟ اور دیگر اشیاء کیا ہیں؟

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام اشیاء مظہرِ الٰہی ہیں۔ درحقیقت سب ایک ہی ہیں، ظہور کی صفات مختلف ہیں، جیسا کہ مطلب ایک ہوتا ہے اور اس کو مختلف عبارتوں سے ادا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حقیقی طور پر موجود ذات صرف ایک ہی ہے لیکن اس کے مظاہر مختلف ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :

اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝ (سورۃ حم السجدہ:54)
اللہ تعالیٰ کی ذات ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔
انسان کو دیگر تمام مخلوقات پر شرف و بزرگی حاصل ہے۔
اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ
خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: حضور ﷺ! جب انسان اشرف المخلوقات ٹھہرا تو پھر اس میں خاص و عام اور کافر و مسلمان ہونے کا کیا باعث؟

فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے :
فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْض..... (سورۃ البقرہ:253)(سورۃ بنی اسرائیل:21)
ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

نیز ارشاد ہے :
کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ..... (سورۃ آل عمران:185)،(سورۃ الانبیاء:35)،(سورۃ العنکبوت:57)
ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

دراصل
اَلْمَوْتُ الْجَسْرُ یُوْصِلَ الْحَبِیْبُ اِلَی الْحَبِیْب
موت ایک پل ہے جس کو طالب مولیٰ عبور کر کے واصل الٰہی ہو جاتا ہے۔

اے عمرؓ! پانچوں ارکان اسلام کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے۔ انھیں صحیح معنوں میں اپنانے سے مومن کو کمال نصیب ہوتا ہے۔ فی الحال تمھارے لیے اتنا بیان ہی کافی ہے۔ جب تم اس سے آگے انتہائی کمال کی طرف بڑھنا چاہو گے تو (تمام باتیں ظاہر ہوتی جائیں گی کیونکہ) تمام صفات و اسرار خود تمھارے اندر موجود ہیں۔ کیونکہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ'' جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

اے میرے ہمراز قطب الدین! یہ نکات پوشیدہ اور راز مخفی تھے جو حضور سرور کائنات نے اپنے خلیفہ اور اپنے ہمراز حضرت عمرؓ کو تعلیم فرمائے تھے، تم کو لکھ دیئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم ان نکات پر اعتبار اور اقرار کرو گے۔ ہمیں کج فہم یعنی علمائے ظاہری سے کچھ سروکار نہیں۔ ان کا علاج اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ کیونکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔
''لَا تَتَحَرَّکَ ذَرَّۃً اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ''۔
اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی۔
یہی ہر مسلمان کا اعتقاد ہے اور اسی پر ایمان ہے۔

وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَتِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو ترجمہ

سات عدد مکتوبات

حضرت خواجہ **معین الدین چشتی** اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

اسرارِ حقیقی

مجموعہ اسرار اول

مکتوب نمبر ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

میرے دلی محبّ، میرے قلبی دوست، میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی! اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہان کی سعادت عطا فرمائے۔

بندہ مسکین معین الدین کی طرف سے سلام مسنونہ کے بعد واضح ہو کہ میں اسرار الٰہی کے جو نکات لکھتا ہوں یہ اپنے مریدوں اور حق کے طالبوں کو سکھا دینا تا کہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔

عزیز من! جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے وہ کبھی سوال، خواہش یا آرزو نہیں کرتا۔ جس نے ابھی تک نہیں پہچانا وہ اہل معرفت کی بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرے یہ کہ حرص و ہوا کو ترک کرو۔ جس نے حرص و ہوا کو ترک کیا، اس نے مقصود حاصل کر لیا۔

چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے :

.....وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰىO (سورۃ النازعات :40 تا 41)

''..... جس شخص نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکے رکھا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔''

جس دل کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے پھیرتا ہے، اسے کثرتِ شہوات کے کفن میں لپیٹ کر زمین ندامت میں دفن کر دیتا ہے۔

ایک روز سلطان العارفین خواجہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں نے ایک رات اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا جس نے مجھ سے پوچھا: بایزید کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا جو میرا کریم مالک چاہتا ہے۔ خطاب ہوا کہ اچھا جس طرح تو میرا ہے اس طرح میں تیرا ہوں ؎

ہر کہ گردن نہد رضا او را
مر اُو را حق نگاہباں باشد

جو کوئی حق کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے، تو یقیناً وہ اس کا محافظ بن جاتا ہے۔

پس اگر تصوف کی ماہیت سے واقف ہونا چاہتے ہو تو اپنے آپ پر آسائش و آرام کا دروازہ بند کر دو۔ پھر زانوئے محبت کے بل بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے کام کر لیا، تو سمجھو کہ بس تصوف کے عالم ہو گئے۔ طالبِ حق کو یہ بات دل و جان سے بجالانی چاہیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا کرنے سے وہ شرِ شیطانی سے نجات پائے گا اور دونوں جہان کی مرادیں حاصل کرے گا۔

ایک روز شیخ خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

معین الدین! کیا تجھے معلوم ہے کہ صاحبِ حضور کسے کہتے ہیں؟

دیکھو! صاحب حضور وہ ہے کہ ہر وقت مقام عبودیت میں ہو۔ اور ہر ایک واقعے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرے اور تمام عبادتوں کا مقصد یہی ہے۔ جسے یہ حاصل ہے وہ جہان کا بادشاہ ہے۔ بلکہ جہان کا بادشاہ اس کا محتاج ہے۔

ایک روز میرے شیخ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا کہ بعض درویش جو کہتے ہیں کہ جب طالب کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے گھبراہٹ نہیں رہتی، یہ غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ جو کہتے ہیں کہ عبادت کرنا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ہوتا، یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عبادت، بندگی اور عبودیت میں سر بسجود رہے۔ باوجود کمال بندگی کے، آخر یہ فرمایا کرتے تھے:

ما عَبَدْتُكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ

ہم نے تیری ایسی عبادت نہیں کی جیسا کہ حق تھا۔

یعنی کماحقہ تیری عبادت نہیں کر سکتے اور نہایت عاجزی سے ورد زبان تھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

پس یقین جانو کہ جب عارف کمالیت کا درجہ حاصل کرتا ہے تو اس وقت کمال درجہ کی ریاضت، جس سے مراد نماز ہے، نہایت صدق دل سے ادا کرتا ہے۔ اسی سے حضوری و آگاہی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اخص الخاص کی معراج یہی نماز ہے۔ جب کوئی شخص یہ حقیقت معلوم کر کے صدق سے کام لیتا ہے تو اسے ایسی پیاس محسوس ہوتی ہے گویا اس نے آگ کے کئی پیالے پی رکھے ہیں۔ جوں جوں من ایسے پیالے پیے گا، پیاس غلبہ کرتی جائے گی۔ اس واسطے کہ جمال لامتناہی کی انتہا نہیں۔ اس وقت اس کا سکون، بے سکونی اور آرام، بے آرامی ہو جاتی ہے۔ ایسا اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ لقائے الٰہی سے مشرف نہ ہو جائے۔ والسلام

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

مجموعہ اسرار دوم

مکتوب نمبر۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

دردمند طالب، دیدارِ الٰہی کے مشتاق درویش جفاکش، میرے بھائی، خواجہ قطب الدین دہلوی! اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں آپ کو سعادت نصیب کرے۔

سلام مسنون! ایک روز حضرت عثمان ہارونی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں خواجہ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ محمد تارک رحمۃ اللہ علیہ اور یہ خاکسار حاضر تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر خواجہ صاحب سے پوچھا کہ یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو قربِ الٰہی حاصل ہوا ہے یا نہیں؟ خواجہ کریم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اس کی بہت اچھی شناخت نیک عملوں کی توفیق ہے۔ یقین جانو جس شخص کو نیک کاموں کی توفیق دی گئی ہے، اس کے لیے قرب کا دروازہ کھل گیا ہے۔

پھر آب دیدہ ہو کر فرمایا: ایک شخص کے ہاں ایک صاحب قیام لونڈی تھی جو آدھی رات کے وقت اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھتی اور شکر حق بجالاتی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی ہے کہ اے پروردگار! میں تیرا قرب حاصل کر چکی ہوں۔ مجھے اب اپنے سے دور نہ رکھنا۔ اس لونڈی کے آقا نے یہ ماجرا سن کر اس سے پوچھا: تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ تمہیں قربِ الٰہی حاصل ہے؟

مجھے میرے کریم مالکِ حقیقی نے آدھی رات کے وقت جاگ کر دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق دے رکھی ہے۔ اس وجہ سے میں جانتی ہوں کہ مجھے قرب حاصل ہے۔ آقا نے کہا۔ لونڈی! جاؤ میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد کیا۔

پس انسان کو دن رات عبادتِ الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے تا کہ اس کا نام نیک لوگوں کے دفتر میں درج ہو جائے اور نفس و شیطان کی قید سے بچ جائے۔ والسلام

❁❁❁❁❁

مجموعہ اسرار سوم

مکتوب نمبر۳
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اَللّٰہُ الصَّمَدُ'' کے اسرار سے واقف، ''لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ'' کے انوار کے ماہر، میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی رحمتہ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ آپ کے مدارج زیادہ کرے۔

فقیر پر تقصیر معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خوشی ومسرت آمیز اور انس ومحبت بھرا سلام ہو۔ تادم تحریر مکتوب صحت ظاہری کے سبب اپنے مالک کریم کا شکر گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دارین عطا فرمائے۔

برادرم! میرے شیخ خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سوائے اہل معرفت کے اور کسی کو عشق کے اسرار ورموز سے آگاہ نہیں کرنا چاہیے۔ خواجہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ (اس سے مراد شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نہیں بلکہ اسی نام کے آپ کے ایک مرید ہیں) نے آنجناب سے پوچھا کہ اہل معرفت کو کیونکر پہچان سکتے ہیں؟ خواجہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اہلِ معرفت کی علامت ترک ہے۔ جس میں ترک ہوگی یقین جانو کہ وہ اہل معرفت ہے اور اسے خدا شناسی حاصل ہے۔ اور جس میں ترک نہیں اس میں معرفتِ حق کی بو بھی نہیں۔ یہ اچھی طرح یقین کرلو کہ کلمہ شہادت اور نفی اثبات، معرفت ہے۔ مال ومرتبہ بڑے بھاری بت ہیں اور انھوں نے بہت سے لوگوں کو سیدھی راہ سے گمراہ کیا اور کررہے ہیں۔ یہ معبودِ خلائق بن رہے ہیں۔ بہت سے لوگ مال وجاہ کی پرستش کرتے ہیں۔ پس جس نے مال وجاہ کی محبت کو دل سے نکال دیا، اس نے گویا پوری نفی کردی اور جسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی، اس نے پورا پورا اثبات کرلیا۔ اور یہ بات ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کے کہنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جس نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا، اسے خدا شناسی حاصل نہیں ہوئی۔ والسلام

❀❀❀❀❀

مجموعہ اسرار چہارم

مکتوب نمبر ۴
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حقائق ومعارف سے واقف رب العالمین کے عاشق میرے بھائی خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ!

واضح رہے کہ انسانوں میں سب سے دانا وہ فقراء ہیں جنھوں نے درویشی اور ترک خواہشات کو اختیار کر رکھا ہے کیونکہ خواہشات میں حق سے دوری ہے اور خواہشات ترک کرنے سے حقیقی مراد حاصل ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے اہل غفلت نے رحمت کو زحمت اور زحمت کو رحمت خیال کر رکھا ہے۔ پس دانا وہی ہے کہ جب کسی دنیاوی مراد کا اسے خیال آئے، اسے فوراً ترک کر کے نامرادی اور فقر کو اختیار کر لے۔ اپنی مراد کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مراد سے موافقت کر لے۔

پس انسان کو حق تعالیٰ سے وابستگی لازم ہے جو ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ آنکھ دے تو ہر راہ میں سوائے اس کے چہرے کے، اور کچھ نہ دیکھے۔ اور دونوں جہان میں جس کی طرف نگاہ کرے، اس میں اسی کی حقیقت دیکھے۔ دین داری اور آنکھ حاصل کر کیونکہ اگر غور سے دیکھو تو خاک کا ہر ایک ذرہ جام جہاں نما ہے۔ سوائے ظاہری ملاپ کے شوق کے، اور کیا لکھوں۔ والسلام

❁❁❁❁❁

مجموعہ اسرار پنجم

مکتوب نمبر ۵
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

واصلوں کے برگزیدہ، رب العالمین کے عاشق، میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی! معبودِ حقیقی کی پناہ میں ہو کر بامراد اور کامیاب رہیں۔

ایک روز یہ دعا گو حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا: حضور! میں نے مختلف علوم حاصل کیے، بہت زہد کیا، لیکن مقصد نہیں پایا۔ خواجہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمھیں صرف ایک بات پر عمل کرنا چاہیے، عالم بھی ہو جاؤ گے اور زاہد بھی، وہ یہ کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

تَرَكَ الدُّنْيَا رَاْسٌ كُلِّ عِبَادَةٍ وَ حُبُّ الدُّنْيَا رَاْسٌ كُلِّ خَطِيْئَةٍ

دنیا کا ترک کرنا تمام عبادتوں کی اصل ہے اور دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔

اگر تم اس حدیث پاک پر عمل کرو تو پھر تمھیں کسی اور علم کی ضرورت نہ رہے گی۔ یعنی ''العلم نکتة''، علم ایک ہی نکتہ ہے لیکن اس کا کہہ لینا آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔

پس یقین جانو کہ ترک اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ انتہائی محبت نہ ہو اور محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ حق تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

وَمَنْ يَّهْدِاللّٰهُ فَهُوَالْمُهْتَدِ ..... (سورۃ بنی اسرائیل:97)

جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے، وہی ہدایت پا سکتا ہے۔

پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا لحاظ کر کے اپنے قیمتی وقت کو دنیاوی خواہشات کے پورا کرنے میں ضائع نہ کرے۔ بلکہ وقت کو غنیمت سمجھ کر فقر و فاقہ میں عمر بسر کرے، عجز و انکساری سے پیش آئے، گناہوں کی شرمندگی کے مارے سر نہ اٹھائے۔ ہر حالت میں عاجزی اور تضرع سے پیش آئے، کیونکہ انس، بندگی، عبادت اور سب سے اچھا کام، یہی عجز و انکسار ہے۔

بعد ازاں اس موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی :

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ خواجہ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مرید تھے۔ ایک روز شیخ صاحب نے پوچھا: کتنے عرصے سے تم میری محبت و خدمت میں سرگرم ہو اور میری باتیں سنتے آئے ہو؟

عرض کیا: تیس سال سے۔ پوچھا: پھر اس عرصے میں کیا کچھ حاصل کیا اور کیا کچھ فائدہ اٹھایا؟

عرض کیا: آٹھ فائدے حاصل کیے۔ پوچھا: کیا اس سے پہلے یہ فائدے حاصل نہ تھے؟

عرض کیا: قبلہ شیخ کریم! اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو ان سے زیادہ کی اب مجھے ضرورت بھی نہیں۔ فرمایا،

.....اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّآاِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (سورۃ البقرۃ:156)

حاتم! میں نے ساری عمر تیرے کام میں صرف کر دی۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے، اسے بیان کرو تا کہ کہیں ضروری سمجھوں تو مزید وضاحت کر دوں۔

عرض کیا۔ استاد محترم!

پہلا یہ ہے کہ میں نے خلقت کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک شخص نے کسی نہ کسی کو اپنا محبوب و معشوق قرار دے رکھا ہے۔ وہ محبوب و معشوق اس قسم کے ہیں کہ بعض مرض موت تک اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ بعض مرنے تک، بعض قبر کے کنارے تک، اس کے بعد کوئی بھی ساتھ نہیں جاتا۔ کوئی ایسا نہیں کہ انسان کے ساتھ قبر میں جا کر اس کا غم خوار اور

اس کی قبر کا چراغ ہو سکے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ محبوب وہی اچھا ہے جو انسان کے ساتھ قبر میں جائے اور وہاں اس کا غم خوار اور چراغ ہو اور قیامت کی منزلیں طے کرائے۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان صفات سے متصف محبوب صرف اعمالِ صالحہ ہیں۔ سو میں نے انھیں اپنا محبوب بنایا اور انھیں اپنے لیے حجت اختیار کیا تا کہ قبر میں بھی میری غم خواری کریں، میرے لیے چراغ ہوں۔ ہر ایک منزل میں میرے ساتھ رہیں اور مجھے چھوڑ نہ جائیں۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا: حاتم! تو نے بہت اچھا کیا۔

دوسرا یہ ہے کہ:

جب میں نے لوگوں کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب کے سب حرص و ہوا کے پیرو بنے ہوئے ہیں اور نفس کے کہنے پر چلتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (سورۃ النازعات: 40 تا 41)

جس نے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر نفس کو خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔

غور و فکر سے میرے یقین میں اضافہ ہوتا گیا۔ میں نفس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا اور اسے مجاہدہ کی کٹھالی پر رکھ دیا۔ اس کی ایک آرزو بھی پوری نہ کی۔ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مجھے آرام حاصل ہوتا رہا۔

خواجہ شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت دے تو نے خوب کہا اور اچھا کیا۔

تیسرا فائدہ یہ کہ:

جب میں نے لوگوں کے حالات کا مشاہدہ غور سے کیا تو دیکھا کہ ہر شخص دنیا کے لیے کوشش کرتا ہے، بے حد رنج و مصیبت برداشت کرتا ہے تب کہیں دنیاوی مال و متاع سے کچھ حاصل کرتا ہے اور پھر اس پر بڑا خوش و خرم رہتا ہے۔ بعد ازاں میں نے اس آیت پر غور کیا۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ.....(سورۃ النحل: 96)

جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو اللہ کے ہاں ہے، وہ باقی رہنے والا ہے۔

جو کچھ میں نے جمع کیا تھا سب راہِ خدا میں صرف کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تا کہ راہ خدا میں خرچ کیا ہوا بارگاہِ الٰہی میں باقی رہے اور آخرت میں میرا توشہ اور محافظ و معاون بنے۔

خواجہ شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے تو نے بہت اچھا کیا ہے۔

آپ جناب کی ہم نشینی سے چوتھا فائدہ یہ ہوا:

جب میں نے خلقت کے حالات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ لوگوں نے دنیاوی جاہ و حشم اور مال و اولاد کو عزت کا معیار بنایا ہوا ہے۔ بعد ازاں میں نے اس آیت کریمہ پر غور کیا:

.....اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ .....(سورۃ الحجرات: 13)

تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑھ کر وہی معزز سمجھا جائے گا جو سب سے زیادہ متقی ہوگا۔

تائیدِ الٰہی سے مجھے معلوم ہوا کہ بس یہی ٹھیک اور حق ہے۔ لوگوں نے جس چیز کو عزت و مرتبہ کا معیار خیال کر رکھا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ سو میں نے تقویٰ اختیار کیا تا کہ میں بھی بارگاہِ الٰہی کا مکرم بن جاؤں۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

تو نے بہت اچھا کیا۔

پانچواں فائدہ یہ ہے:

میں نے جب لوگوں کے حالات کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک دوسرے کو محض حسد کی وجہ سے برائی سے یاد کرتے ہیں اور حسد بھی مال، مرتبے اور علم کا کرتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا:

.....نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.....(سورۃ الزخرف:32)

ہم نے ان میں دنیاوی زندگی کے لیے روزی وغیرہ تقسیم کی۔

تو جب ازل میں ان کے حصے یہ چیز آ چکی ہے اور کسی کا اس میں اختیار نہیں، تو پھر حسد بے فائدہ ہے۔ تب سے میں نے حسد کرنا چھوڑ دیا اور ہر ایک سے صلح اختیار کی۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

تو نے بہت اچھا کیا۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ:

جب دنیا کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعض آپس میں دشمنی رکھتے ہیں اور کسی خاص کام کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑا اور دشمنی کرتے ہیں۔ پھر میں نے اس آیت کو غور سے دیکھا:

.....اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ O (سورۃ الاعراف:22)

شیطان تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بالکل سچا ہے۔ واقعی ہمارا دشمن شیطان ہے۔ شیطان کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ تب سے میں صرف شیطان کو اپنا دشمن جانتا ہوں۔ نہ اس کی پیروی کرتا ہوں نہ فرمان برداری بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہوں، اس کی بندگی کرتا ہوں۔ ٹھیک عمل بھی یہی ہے۔ چنانچہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے :

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌO وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌO (سورۃ یٰس:60 تا 61)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی و پرستش نہ کرنا کیونکہ وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم میری پرستش کرو تو یہ سیدھی راہ ہے۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا :تم نے بہت خوب کیا۔

ساتواں فائدہ یہ کہ:

جب میں نے خلقت کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنی روزی و معاش کے لیے سر توڑ کوشش کرتا ہے۔ اسی وجہ سے حرام و شبہ میں پڑتا ہے اور اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ پھر میں نے اس آیت کو غور سے دیکھا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ..... (سورۃ ہود:6)

روئے زمین پر کوئی ایسا حیوان نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے نہ ہو۔

بفضل الٰہی میں سمجھ گیا کہ اس کا فرمان حق ہے۔ میں بھی ایک حیوان ہوں۔ تب سے میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میری روزی وہ بالضرور پہنچائے گا کیونکہ وہ خود اس بات کا ضامن ہے۔ خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

تو نے بہت اچھا کیا۔ اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔

عرض کیا، آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ:

جب میں نے خلق خدا کو غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز پر بھروسہ ہے۔ بعض کو سونے چاندی پر، بعض کو ملک و مال پر، پھر میں نے اس آیت کو غور سے دیکھا۔

.....وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط ..... (سورۃ الطلاق:3)

جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔

خواجہ شفیق علیہ الرحمۃ نے فرمایا :

حاتم! اللہ تعالیٰ تمھیں ان باتوں پر عمل کی توفیق دے۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور فرقان حکیم کا غور سے مطالعہ کیا۔ ان چاروں کتابوں سے یہ آٹھ باتیں حاصل ہوئیں۔ جو ان پر عمل کرتا ہے، گویا ان چاروں کتابوں پر عمل کرتا ہے۔ اس حکایت سے تمھیں معلوم ہو گیا کہ زیادہ علم کی ضرورت نہیں، بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ والسلام

مجموعہ اسرار ششم

مکتوب نمبر ۶
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مخزنِ اسرارِ یزدانی، معدنِ فیوضاتِ سبحانی، میرے بھائی خواجہ قطب الدین دہلوی! اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔

ایک روز میرے شیخ کریم رحمۃ اللہ علیہ نے نفی واثبات کے بارے میں کیا ہی اچھا ارشاد فرمایا:

نفی اپنے آپ کو نہ دیکھنا اور اثبات اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو دیکھنا ہے۔ کیونکہ خود بین خدا بین نہیں ہوسکتا۔ پس نفی کرنے والا ہونا چاہیے۔ ورنہ نفی کا کچھ فائدہ نہیں۔ اگر خیال کریں کہ ہستی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی ہے، تو مطلب حاصل ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہی کلمہ شہادت، نماز، روزہ وغیرہ کی باطنی صورت ہے۔ حقائق کو چھوڑ کر عبادات کی صرف ظاہری صورتوں پر قناعت کر لینا فضول ہے۔ وہ شخص بڑا ہی احمق ہے جو ان کے حقائق تک نہیں پہنچتا۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمیشہ تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ سالک ابتدا میں نابینا ہوتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے اسے بینائی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس سے دیکھتا اور سنتا ہے اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتا ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے تو وہ واصل اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جاتا ہے۔ والسلام

مجموعہ اسرار هفتم

مکتوب نمبر ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

عارف معارف، حق آ گاہ، عاشق اللہ میرے بھائی خواجہ قطب الدین! اللہ تعالیٰ آپ کے فقر کو زیادہ کرے۔ دعا گو کی طرف سے انس آمیز سلام کے بعد دعا ہے کہ کشف سے جو رائے قائم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے معرفت کا باعث بنائے۔

عزیز من! اپنے مریدوں کو ضرور بتا دینا کہ فقیر و مرشد کامل سے کیا مراد ہے اور اس کی علامت کیا ہے اور یہ کیونکر پہچانا جاتا ہے۔ مشائخ طریقت قدس اللہ اسرار ہم نے فرمایا ہے:

اَلۡفَقِیۡرُ مَالَا یُحۡتَاجُ اِلٰی کُلِّ شَئیءٍ۔

فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام ضروریات سے فارغ ہو اور اس کے باقی رہنے والے چہرے کے سوا اور کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

چونکہ تمام موجودات اس کے باقی رہنے والے چہرے کا آئینہ اور مظہر ہیں اس واسطے وہ ان سے اپنا مقصود دیکھتا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ کامل فقیر اسے کہتے ہیں جس کے دل سے سوائے حق کے سب کچھ دور ہو اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کے جینے اور مرنے کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ پس طالب کو ہمیشہ مطلوب و مقصود کے لیے جستجو و مجاہدہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس حقیقی طلب کی پہچان سوز و گداز قلبی ہے۔ ایسا طالب، سوز و گداز قلبی کے ساتھ شریعت کے احکام پر عمل کرتا ہے اور طریقت کے مقامات طے کرتے ہوئے حقیقت پا لیتا ہے۔ والسلام

تعارفِ مؤلف

نام: محمود علی انجم ولدیت: محمد یٰسین

☆ رائٹر ایجوکیشنل اینڈ اسلامک بکس، مترجم، کنسلٹینٹ برائے سائیکولوجیکل اینڈ سپرچوئل پرابلمز

تعلیم:

☆ پی ایچ ڈی (اقبالیات؛ ریسرچ سکالر)

☆ ایم فل (اقبالیات/اردو)

☆ ایم اے (انگلش، ایجوکیشن، اسلامیات)

☆ ایم سی ایس

☆ ایم ایس سی نفسیات

☆ پی جی ڈی آئی ٹی، پی جی ڈی ٹیفل

پرنسپل: چشتیہ کالج، فیصل آباد

صدر: ایجوکیٹرز اینڈ لرنرز آرگنائزیشن

صدر: بزمِ فکرِ اقبال، لاہور

چیئرمین: لرننگ اینڈ سکلز کونسل

تدریسی خدمات

تعلیم وتدریس طلبا وطالبات، میٹرک تا ایم اے، بی ایڈ، ایم ایڈ کلاسز، مضامین: اردو، انگریزی، اسلامیات، ایجوکیشن، نفسیات، کمپیوٹر سائنس، جنرل سائنس، سوشل سائنسز، اقبالیات اور تصوف

بدر کالج فیصل آباد (1985ء تا 1990ء)

ایم آئی ٹی (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از فیصل آباد تعلیمی بورڈ، سٹڈی سنٹر آف علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی؛ 1999ء تا 2008ء)

رحمٰن کالج، فیصل آباد (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از فیصل آباد تعلیمی بورڈ، بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن، لاہور؛ 2008ء تا 2012ء)

بطور پرنسپل خدمات

چشتیہ کالج فیصل آباد (رجسٹرڈ ومنظور شدہ از سکل ڈویلپمنٹ کونسل، لاہور؛ لرننگ اینڈ سکلز کونسل، فیصل آباد) (1985ء تا 2016ء)

بحیثیت محقق، مصنف، مؤلف ومترجم خدمات

اردو، انگریزی، کمپیوٹر سائنس، اسلامیات، تصوف، اقبالیات، جنرل سائنس کے مضامین پر قریباً ایک سو کے قریب نصابی وغیر نصابی کتب تحریر کیں جو مندرجہ ذیل سرکاری وغیر سرکاری اداروں سے شائع ہو چکی ہیں۔

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور — خالد بک ڈپو، لاہور — فیصل ناشران کتب، لاہور — ہمدرد کتب خانہ، لاہور

بابر بک ڈپو، لاہور — غزالی پبلشرز، لاہور — نورِ ذات پبلشرز، لاہور

Mobile: 0321-6672557 / 0323-6672557
Email: Anjum560@gmail.com
Website: www.lscedu.com
Facebook: https://www.facebook.com/mahmoodali.anjum.9
Whats App: 321-6672557

ریاضِ اقبال

(زیرِ طبع)

پی ایچ ڈی کی سطح کا یہ تحقیقی مقالہ شاعرِ مشرق، حکیم الامت، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا روم، سید علی ہمدانی اور دیگر مشاہیرِ اسلام کے فکر، فن، فلسفہ اور اردو و فارسی زبان و ادب کے مختلف موضوعات پر لکھی گئی 40 عدد کتب اور 400 مقالات و مضامین کے خلاصے، تعارف اور تحقیقی وتنقیدی جائزہ وتبصرہ پر مشتمل ہے۔

تصنیف وتالیف
ڈاکٹر محمود علی انجم (پی ایچ ڈی اقبالیات)
ریسرچ سکالر (اقبالیات، اردو، تصوف، نفسیات وروحی علوم)

نورِ عرفان

(جلد اول و دوم)

اگر آپ کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اپنے تمام مسائل و مشکلات کا حل جاننا چاہتے ہیں۔ مصیبتوں بھری زندگی کو پُرسکون ، قابل رشک زندگی میں بدلنا چاہتے ہیں۔ اپنے ذہنی، نفسیاتی، روحانی و جسمانی امراض کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ نا قابل علاج امراض سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ بحیثیت وکیل، سائنسدان، انجینئر، ڈاکٹر، سیاستدان، کاروباری انسان اور کارکن کے اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریاں احسن طریقے سے سرانجام دینا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ضرور پڑھیں۔ یہ کتاب کامیاب، خوشحال زندگی بسر کرنے کے زرّیں اصولوں اور ضابطۂ حیات کی ترجمان ہے۔ اس کتاب میں روحانی سائنس اور دیگر روحانی، روحی، نفسیاتی و مابعد النفسیاتی علوم کا سائنسی طرز فکر کے مطابق مشاہداتی و تجرباتی اور تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب راہِ حق کے متلاشی ہر معلم (Teacher)، متعلم (Student)، معالج (Hakeem/Doctor)، ماہرِ نفسیات (Psychologist)، ماہر مابعد النفسیات (Parasychologist)، ماہر علمِ تنویم (Hypnotist) اور ماہر علم روحانی (Spiritualist) کی بنیادی ضرورت ہے۔ دنیا میں سب سے مشکل یہ سیکھنا ہے کہ کیسے زندہ رہا جائے اور کس مقصد کے لیے اپنی جان دی جائے۔ اصل مقصد زندہ رہنا نہیں بلکہ کامیاب زندگی گزارنا اور صحیح راہ پر چلتے ہوئے جان قربان کرنا ہے۔ یہ کتاب تنظیم و تعمیرِ شخصیت کے جامع نصاب پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آپ کو زندہ رہنے، کامیاب زندگی گزارنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کا گر سکھائے گی۔

تصنیف و تالیف

ڈاکٹر محمود علی انجم (پی ایچ ڈی اقبالیات)

ریسرچ سکالر (اقبالیات، اردو، تصوف، نفسیات و روحی علوم)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التجائے مؤلف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَآ اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرٰتِ فِي الْحَيَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَافِعُ الدَّرَجَاتِ وَيَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَيَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ وَيَادَافِعَ الْبَلِيَّاتِ وَيَا حَلَّ الْمُشْكِلَاتِ اَغِثْنِيْ اَغِثْنِيْ اَغِثْنِيْ اَغِثْنِيْ يَآ اِلٰهِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ط○

الٰہ العٰلمین! تین کتابوں ”سچے موتی“، ”اسرارِ حقیقی (حصہ اول)“ اور ”اسرارِ حقیقی (حصہ دوم)“ پر مشتمل اس تالیف کو مبارک بنادیں، ہمارے دلوں کو قرآن مجید کی ہدایات سے معمور فرمادیں اور ہماری روحوں کو احادیث مبارکہ کے انوار سے منور فرمادیں اور ہمارے بدن اور ہمارے تمام اعضاء کو قرآن اور سنت کے تابع فرمادیں۔ رب العٰلمین! اس تالیف کو مقبولیت عامہ عطا فرمائیں اور تا قیامت اس کے فیض کے چشموں کو جاری فرمائیں اور اس کے مندرجات پر مجھ سمیت سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس تالیف کو مخالفین کے لیے ہدایت اور موافقین کے لیے استقامت کا موجب بنائیں۔ اس کو بندہ عاجز کے پیرومرشد، والدین، تمام مشائخ، اساتذہ کے لیے، بندہ عاجز کے اہل وعیال، اعزہ واقربا، بہن بھائیوں، تمام رشتہ داروں کے لیے، ان تمام اہلِ ایمان، اہلِ علم اصحاب کے لیے جن کی تخلیقات وتصانیف سے بندہ عاجز نے استفادہ کیا ہے، ایسے تمام اپنے پرائے جن کے حقوق کی ادائیگی میں بندہ عاجز سے جانے انجانے، ارادی وغیر ارادی طور پر کسی طرح کی بھی حق تلفی ہوئی ہے، بندہ عاجز سے بلاواسطہ و بالواسطہ روحانی، علمی ونسبی تعلق رکھنے والے تمام محسنین ومحسنات، مومنین ومومنات اور مسلمین و مسلمات کے لیے تا ابدالاباد صدقہ جاریہ کردیں۔ مجھے، میرے والدین کو، میرے اقرباء کو، میرے اساتذہ اور تلامذہ کو، میرے احباب اور معاونین کو، اس تالیف کے ناشر، پرنٹر، کمپوزر اور ڈیزائنر کو اور جملہ مسلمانوں کو دنیا اور آخرت کے مصائب، آفات اور بلاؤں سے محفوظ اور مامون رکھیں اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر، ہر سعادت اور ہر کامرانی عطا فرمائیں۔ آمین واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین و علی الہ الطیبین الطاھرین و اصحابه الکاملین الراشدین وازواجه امھات المومنین وعلی اولیاء امته وعلماء ملته من المفسرین والمحدثین والمجتھدین الراسخین اجمعین الی یوم الدین۔